بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخلاقِ نبوی

علامہ شبلی نعمانی

نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد
پاکستان

بسلسلہ سیرت النبیؐ

اخلاقِ نبویؐ

علامہ شبلی نعمانی

نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد
پاکستان

قیمت -/۱۶ روپے

یہ کتاب نیشنل بک فاؤنڈیشن، پاکستان نے وفاقی حکومت کے ان اختیارات کے تحت شائع کی جو اُسے کاپی رائٹ آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۲ء کی دفعہ ۱۰ کی ذیلی دفعہ (2 A) کے مطابق حاصل ہیں۔

مطبع : خیابان پریس دربار مارکیٹ لاہور۔

کوڈ نمبر : ڈی ایم آر پی آئی 2000/4۔

این بی ایف تھرڈ ری پرنٹ ۱۹۸۲ء۔

یہ کتاب صرف پاکستان میں تقسیم اور فروخت کے لئے ہے۔

فہرست مضامین

اخلاقِ نبوی

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

(حضرت رسالت پناہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آکر آپ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحینِ عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے، تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی واعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا، تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہے گی دنیا کے تمام مصلحینِ اخلاق میں گو تم بدھ اور مسیح کا درجہ سب سے بڑا ہے، لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلحِ اعظم (بودھ) عملاً کیا تھا، کوہِ زیتون کے ریحانہ اخلاق کا واعظ (مسیح) دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا، لیکن اُس کی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے زریں مقولوں کی تائید میں ہم کو معلوم ہے ؟ لیکن مکہ کا معلم اُمی پکار کر کہتا تھا،

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (البقرہ) — جو نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو،

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا، انسانوں کے مجمعِ عام میں وہ جو کچھ کہتا تھا، گھر کے خلوت کدہ میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا، اخلاق وعمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتا تھا، وہ خود اس کا عملی پیکر بنجاتا تھا، ہوسی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا درکون راز داں ہو سکتا ہے، چند صاحبوں نے آکر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ حضرتؐ کے اخلاق بیان کیجئے، انھوں نے پوچھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے

ان خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن — آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا،[1]

موجودہ صحائفِ آسمانی اپنے داعیوں کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہیں لیکن کیا اُن کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہے، قرآن مجید لاکھوں مخالفین واہلِ عناد کی بھیڑ میں اپنے داعی حق کی نسبت گویا تھا،

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ، (ن) — اے محمد تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو،

بدیرِ نکتہ چین آج تیرہ سو برس کے بعد آپ کو سنگدل کہتے ہیں لیکن اُس وقت جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا، قرآن خود دشمنوں کے مجمع میں آپ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا،

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آلِ عمران) — خدا کی عنایت سے تم اُن سے نرمی پیش آتے ہو اگر تم کہیں کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے آس پاس سے ہٹ جاتے،

دوسری جگہ کہتا ہے،

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ، (توبہ) — تمہارے پاس تم ہی میں سے خود ایک پیغمبر آیا، اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، اہلِ ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے،

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ صرف رحم ورافت اور تواضع وخاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دیدیا گیا، حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر شے میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے دوست ودشمن، عزیز وبیگانہ، صغیر وکبیر، مفلس وتونگر، صلح وجنگ، خلوت وجلوت غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرہ اخلاق کی وسعت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوانِ اخلاق پر اسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیے،

اخلاق نبوی کا جامع بیان

(اس سے پہلے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائیں، ان صاحبوں کے بیانات زیر تحریر آتے ہیں، جنہوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں سالہا سال اور مدتہائے دراز بسر کی ہیں اور جو آپ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے، انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھکر دنیا میں کون ہوسکتا ہے؟ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمتِ زوجیت میں رہی تھیں، زمانۂ آغاز وحی میں آپ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں "ہرگز نہیں، خدا کی قسم خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کریگا، آپ صلۂ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔"[1]

امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی نے آپ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کئے ہیں، فرماتی ہیں "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے[2] آپ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی، اس کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، ورنہ آپ اس سے بہت دور ہوتے، آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اس سے انتقام لیتا تھا[3] (یعنی خدا کی طرف سے موجب احکام ربانی آپ اس پر حد جاری فرماتے تھے)[4] آپ نے نام لیکر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی، آپ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو کبھی عورت کو، جانور کو اپنے

---

[1] صحیح بخاری باب بدءالوحی، [2] جامع ترمذی و شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری، و مسلم و ابوداؤد کتاب الادب،

[4] یہ تفسیر مسلم اور ابوداؤد وغیرہ احادیث کی مختلف روایات میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے)

ہاتھ سے نہیں مارا، آپ نے کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی لیکن یہ کہ وہ ناجائز نہ ہو[۱]، آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے، تو نہایت خندان ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے[۲]، باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے، تو رکھ لے[۳]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک کم از کم ۲۲ برس آپ کی خدمت اقدس میں رہے تھے، ایک دفعہ حضرت امام حسین نے ان سے آپ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا، فرمایا آپ خندہ جبین، نرم خو، مہربان طبع تھے سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے بات بات پر شور نہیں کرتے تھے، کوئی برا کلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی، تو اس سے اغماض فرماتے تھے، کوئی آپ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے، اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے یعنی صراحۃً انکار و تردید نہیں کرتے تھے، بلکہ خاموش رہتے تھے اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دور کر دی تھیں، بحث و مباحثہ ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا، دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے کسی کو برا نہیں کہتے تھے کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے، وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا جب آپ کلام کرتے صحابہ اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، جب آپ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے، کوئی دوسرا بات کرتا، تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا چپ سنا کرتے، لوگ جن باتوں پر

---

[۱] حاکم، بسند متصل، اس کے بعض ٹکڑے صحیح مسلم میں بھی ہیں، [۲] ابن سعد [۳] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد

ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے، جن پر لوگ تعجب کرتے، آپ بھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بیبا کی سے گفتگو کرتا، تو آپ تحمل فرماتے، دوسروں کے مُنہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آپکے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپ اُس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے[1]، نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے، اگر کوئی دفعۃً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا،

ہند بن ابی ہالہ جو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش پروردہ تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ شکر فرماتے تھے، کسی چیز کو بُرا نہیں کہتے تھے، کھانا جس قسم کا سامنے آتا، تناول فرماتے، اور اس کو بُرا بھلا نہ کہتے، کوئی اگر کسی امرِ حق کی مخالفت کرتا تو آپ کو غصہ آجاتا، اور اس کی پوری حمایت کرتے، لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپ کو غصہ نہیں آیا، اور نہ کسی سے انتقام لیا[2])

مداومتِ عمل اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اُس پر اسقدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اسکی فطرتِ ثانیہ بنجائے، انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کرسکتی ہے اور وہ فطرۃً اسی پر مجبول ہے، آفتاب صرف روشنی بخشتا ہے اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہو سکتا، رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے وہ روشنی کی علت نہیں، درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں، اور پھول ایامِ بہار ہی میں پھوٹتے ہیں، حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال و اخلاق سے ایک سر مو تجاوز نہیں کرسکتا، لیکن انسان خدا کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے وہ آفتاب بھی ہے اور

---

[1] پوری تفصیل شمائل ترمذی بیان اخلاق میں ہے، [2] یہ ٹکڑا شمائل ترمذی بیان حلیۂ مبارک میں ہے ص۲۳ شمائل ترمذی،

رات کی تاریکی بھی، اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے، اور اُس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں، وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال و اخلاق پر مجبور نہیں، اس کو اختیار دیا گیا ہے، اور یہی اختیار دراُس کے مُکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے؛

لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لئے اخلاقِ حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اسکی شدت سے پابندی کرے، اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے، اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کرلیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی، گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں، جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل، اور پھول سے خوشبو، کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہوسکتیں، اسی کا نام استقامتِ حال اور مداومتِ عمل ہے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے، جس کام کو جس طریقہ سے جس وقت آپنے شروع فرمایا، اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے، سُنت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے، سُنت وہ فعل ہے جس پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا، اس بنا پر جس قدر سنتیں ہیں وہ درحقیقت آپ کی استقامتِ حال اور مداومتِ عمل کی ناقابلِ انکار مثالیں ہیں، آپکے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہوچکا ہے جس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ آپکے تمام اخلاق و اعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے، کہ کبھی تمام عمر ان میں ایک ذرہ فرق نہیں پیدا ہوا ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کسی خاص دن یہ کرتے تھے، انھوں نے جواب دیا لا، کان عملہ دیمۃ

آپ کا عمل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی برسنے پر آتی ہے، تو نہیں رکتی، اسی طرح آپ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ اپنے اختیار کر لی، ہمیشہ اُس کی پابندی کی، پھر فرمایا وایکم یستطیع ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستطیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کرسکتے تھے وہ تم میں کون کرسکتا ہے۔[۱] دوسری روایت میں ہے

وکان اذا عمل عملاً اثبتہ[۲] جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام کرتے تھے تو اس پر مداومت فرماتے

اس لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خود ارشاد ہے،

ان احب العمل الی اللہ ادومہ[۳] خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ عمل ہے جس پر مداومت کی جائے

آپ راتوں کو اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی رات کی عبادت ترک نہیں کی، اگر کبھی مزاج اقدس ناساز یا سست ہوا، تو بیٹھ کر ادا کرتے تھے[۴] جریر بن عبداللہؓ ایک صحابی ہیں جن کو دیکھ کر آپ محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے، اُن کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں، اور آپنے مسکرا نہ دیا ہو،[۵]

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپنے مقرر کر لیا تھا، اُس میں کبھی تخلف نہ ہوا، نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہ آیا، اب وہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل ہیں،

حسن خلق | حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ حضرت انسؓ حضرت ہند بن ابی ہالہ وغیرہ جو برسوں آپ کی خدمت میں رہے تھے ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نکو سیرت تھے، آپ کا

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الرقاق [۲] ابوداؤد آخر کتاب الصلوٰۃ و صحیح بخاری کتاب الادب [۳] ایضاً [۴] ابوداؤد قیام اللیل [۵] صحیح مسلم مناقب جریر بن عبداللہؓ

چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے،

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام و مصافحہ فرماتے، کوئی شخص جھک کر آپکے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اسکی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منھ نہ ہٹالے مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیں اُن کا ہاتھ نہ چھوڑتے مجلس میں بیٹھتے تو آپکے زانو کبھی ہمنشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے[1]

اکثر نوکر چاکر، لونڈی، غلام خدمتِ اقدس میں پانی لیکر آتے کہ آپ اس میں ہاتھ ڈالدیں تاکہ متبرک ہوجائے، جاڑوں کا دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ کبھی انکار نہ فرماتے[2]

ایک دفعہ آپ سعد بن عبادہؓ سے ملنے گئے، واپس آنے لگے تو انھوں نے اپنے صاحبزادہ قیسؓ کو ساتھ کردیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیسؓ سے کہا تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو لو، انھوں نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا، آپنے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہو لو یا گھر واپس جاؤ، وہ واپس چلے آئے[3]

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی، آپنے اس کو اپنے ہاں مہمان رکھا، اور خود بنفس نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیے، صحابہ نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دینگے، ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گذاری کی ہے اس لئے میں خود اُن کی خدمت گذاری کرنی چاہتا ہوں[4]

---

[1] ابو داؤد و ترمذی [2] صحیح مسلم باب فی قرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الناس [3] سنن ابی داؤد کتاب الادب [4] شرح شفاے قاضی عیاض بحوالہ دلائل بیہقی جلد اخلاق،

عتبان بن مالک جو اصحاب بدر میں تھے، ان کی بینائی میں فرق آگیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر درخواست کی کہ میں اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھتا ہوں لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے، اس لئے اگر آپ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے، تو میں اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا، دوسرے دن صبح کے وقت آپ حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لیکر ان کے گھر گئے، اور دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا، اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لیگئے، اور دریافت فرمایا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ جگہ بتا دی، آپ نے تکبیر کہکر دو رکعت نماز ادا کی، نماز کے بعد لوگوں نے کھانے پر اصرار کیا، خزیرہ ایک کھانا ہوتا ہے، قیمہ پر آٹا چھڑک کر تیار کرتے ہیں، وہ سامنے آیا، محلہ کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہوئے، حاضرین میں سے کسی نے کہا مالک بن دخشن نظر نہیں آتے ایک نے کہا وہ منافق ہے، ارشاد فرمایا یہ نہ کہو وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں، لوگوں نے کہا ہاں، ان کا میلان منافقین کی طرف ہے، آپنے فرمایا جو شخص خدا کی رضی کیلئے لا الہ الا اللہ کہتا ہے، خدا اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے۔[1]

(ابتداء ہجرت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مہاجرین، انصار کے گھر میں مہمان رہے تھے، دس دس آدمیوں کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر میں مہمان اتاری گئی تھی، مقداد بن الاسود کہتے ہیں کہ میں اس جماعت میں تھا جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شامل تھے، گھر میں چند بکریاں تھیں جن کے دودھ پر گذارا تھا، دودھ، دوھ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا پی لیتے، اور آپکے لئے پیالہ میں چھوڑ دیتے، ایک شب کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی تو لوگ دودھ پی کر سو رہے آپنے آکر دیکھا تو پیالہ خالی پایا، خاموش ہو رہے پھر فرمایا خدایا جو آج کھلا دے اس کو

---

[1] بخاری ج اول ص ۶۰ کتاب الصلوٰۃ،

تو بھی کھلا دیا، حضرت مقدادؓ چھری لیکر کھڑے ہوئے کہ بکری کو ذبح کر کے گوشت پکائیں، آپ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دوہ کر جو کچھ نکلا اسی کو پی کر سو رہے[۱]، اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی،

ابو شعیبؓ ایک انصاری تھے، اُن کا غلام بازار میں گوشت کی دوکان رکھتا تھا، ایک دن وہ خدمتِ اقدس میں آئے، آپ صحابہ کے حلقہ میں تشریف فرما تھے، اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا، ابو شعیبؓ نے جاکر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو، کھانا تیار ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ صحابہ کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں، کل پانچ آدمی تھے، راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہولیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو شعیبؓ کہا یہ شخص بے کہے ساتھ ہولیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے، ورنہ رخصت کردیا جائے، انھوں نے کہا آپ اُن کو بھی ساتھ لائیں[۲]،

عقبہؓ بن عامر ایک صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کے درہ میں اونٹ پر سوار جارہے تھے، یہ بھی ساتھ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہا کہ آؤ سوار ہولو" اُس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیادہ بناکر خود سوار ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ کہا اب انکار کرنا امتثالِ امر کے خلاف تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتر پڑے، اور یہ سوار ہولئے[۳]،

مجالسِ صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے، اور اس کا اظہار نہ کرتے، حضرت زینبؓ سے جب نکاح ہوا اور دعوتِ ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھاکر وہیں بیٹھے رہے، اس وقت پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اور حضرت زینبؓ بھی مجلس میں شریک تھیں، آپ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے، لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا، آپ اٹھ کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ تک گئے،

[۱] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۴ [۲] بخاری صفحہ ۸۱۲، [۳] نسائی صفحہ ۸۰۳،

واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا، پھر واپس چلے گئے، اور دوبارہ تشریف لائے، پردہ کی آیت اسی موقع پر اتری[1]۔

غزوہ حنین سے واپس آرہے تھے، کہ راہ میں نماز کا وقت آگیا، حسبِ دستور ٹھہر گئے، موذن نے اذان دی، ابومحذورہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے، اذان سُن کر سب نے چلا چلا کر استہزار کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی، ابومحذورہ خوش لحن تھے اُن کی آواز پسند آئی، سامنے بٹھا کر سر پہ ہاتھ پھیرا، اور برکت کے لئے دعا کی، پھر اُن کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ، اسی طرح حرم میں اذان دیا کرنا[2]۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا، اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا، لوگ مجھکو خدمت اقدس میں لے گئے، آپ نے پوچھا، ڈھیلے کیوں چلاتے ہو؟ میں نے کہا کھجوروں کے لئے، ارشاد فرمایا کہ زمین پر ٹپکی ہوئی کھجوریں کھا لیا کرو، ڈھیلے نہ مارو، یہ کہکر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی[3]،

عباد بن شرجیل مدینہ میں ایک صاحب تھے، ایک دفعہ قحط پڑا، اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے، اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے، کچھ دامن میں رکھ لئے، باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اس نے آکر ان کو مارا اور کپڑے اتروا لئے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لیکر آئے مالک بھی ساتھ تھا آپ نے اسکی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینا تھا بھوکا تھا اس کو کھانا کھلانا

---

[1] بخاری ص ۲۲۹، باب آیۃ الحجاب [2] دارقطنی مطبوعہ دہلی ج ا ص ۸۶ کتاب الصلاۃ [3] ابوداؤد کتاب الجہاد

یہ کہکر کپڑے واپس دلوائے، اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا[۱]،

یہود کا دستور تھا کہ عورتوں کو جب ایام آتے، تو اُن کو گھروں سے نکال دیتے، اور اُن کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو انصار نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا، اس پر یہ آیت اُتری کہ اس حالت میں مقاربت جائز ہے، اس بنا پر آپنے حکم دیا کہ مقاربت کے سوا کوئی چیز منع نہیں، یہودیوں نے آپ کا حکم سنا تو بولے کہ یہ شخص بات بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے، صحابہ آپ کی خدمت میں آئے، کہ یہود جب یہ کہتے ہیں تو ہم مقاربت بھی کیوں نہ کریں، رخسارۂ مبارک غصہ سے سُرخ ہوگیا، دونوں صاحب چلے گئے، آپنے اُن کے پاس کچھ کھانے کی چیزیں بھیجیں، اس وقت اُن کو تسکین ہوئی، کہ آپ ناراض نہ تھے[۲]

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی، تو اکثر اس کے سامنے اُس کا تذکرہ نہ فرماتے ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے، آپنے کچھ نہ فرمایا جب وہ اٹھ کر چلے گئے، تو لوگوں سے کہا کہ اُن سے کہدینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں[۳]،

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا اچھا آنے دو، وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے، لیکن جب وہ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کیسا تھ اس سے گفتگو فرمائی، حضرت عائشہؓ کو اس پر تعجب ہوا، اور آپسے دریافت فرمایا کہ آپ تو اُس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ کلام کیا آپنے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں[۴]،

---

[۱] ابوداؤد جلد ۲ کتاب الجہاد [۲] ابوداؤد مواکلۃ الحائض، [۳] ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب [۴] صحیح بخاری و ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب باب حسن العشرۃ باب الرجل

یہود جس درجہ شقی اور دشمنِ اسلام تھے، اُس کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہو چکا ہوگا، باایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سنگدلوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور لطف کا برتاؤ کرتے اور اُن سے دادو ستد رکھتے، سخت سے سخت غصہ کی حالت میں صرف اس قدر فرماتے کہ "اس کی پیشانی خاک آلود ہو"[1]

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا، جس سے میں قرض لیا کرتا تھا، ایک سال اتفاق سے کھجوریں نہیں پھلیں اور قرضہ ادا نہ ہو سکا، اس پر پورا سال گذر گیا، بہار آئی، تو یہودی نے تقاضا شروع کیا، اب کی بھی پھل کم آئے، میں نے آیندہ پھل کی مہلت مانگی، اُس نے انکار کیا، میں نے آنحضرت صلعم سے آکر تمام واقعات بیان کئے، آپ چند صحابہ کیساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے، اور سمجھایا کہ مہلت دیدو، اُس نے کہا کہ "ابو القاسم میں کبھی مہلت نہ دونگا" آپ نخلستان میں تشریف لے گئے، اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے اور اُس سے گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا، بالآخر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ چبوترہ پر (جو مسقف تھا) فرش بچھا دو، اس پر آرام فرمایا اور سو گئے، سو کر اُٹھے تو پھر یہودی سے خواہش ظاہر کی کہ مہلت دیدے، اس شقی نے اب بھی نہ مانا، آپ درختوں کے جھنڈ میں جا کر کھڑے ہو گئے، اور جابر سے کہا کہ کھجوریں توڑنی شروع کردو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلیں کہ یہودی کا قرض ادا کر کے بچ رہیں،[2]

(مجلس نبوی میں جگہ بہت کم ہوتی تھی) جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تھے اُن کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی، ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اُس کے لئے آپ خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے، ایک دفعہ مقام جعرانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اور اپنے ہاتھ سے لوگوں کو گوشت

---

[1] ادب المفرد امام بخاری [2] بخاری ص ۸۱۰ باب الرطب والتمر

تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی، اور آپکے پاس چلی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اُس کی نہایت تعظیم کی، اپنی چادر مبارک اس کے لئے بچھادی، راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی تو لوگوں نے کہا یہ حضور کی رضاعی ماں تھیں[۱]

اسی طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، کہ آپکے رضاعی والد آئے آپنے اُن کے لئے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا، پھر رضاعی ماں آئیں، آپنے دوسرا گوشہ بچھادیا، آخر میں رضاعی بھائی آئے تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھالیا[۲]

حضرت ابو ذرؓ مشہور صحابی ہیں، ایک دفعہ اُن کو بلا بھیجا تو وہ گھر میں نہیں ملے، تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے، تو آپ لیٹے ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینہ سے لگا لیا[۳]۔

حضرت جعفرؓ بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے، تو اُن کو گلے لگا لیا، اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا[۴]۔

سلام میں پیشدستی فرماتے، راستہ میں جب چلتے تو مرد، عورتیں، بچے جو سامنے آتے اُن کو سلام کرتے[۵]۔ ایک دفعہ آپ راستہ سے گذر رہے تھے، ایک مقام پر مسلمان اور منافق و کافر یکجا بیٹھے ملے آپنے سب کو سلام کیا[۶]۔

کسی کی کوئی بات بُری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لیکر اُس کا ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے، کہ لوگ ایسا کرتے ہیں، لوگ ایسا کہتے ہیں، بعض لوگوں کی یہ عادت ہے، یہ طریقۂ ابہام اسلئے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو، اور اس کے احساسِ غیرت

[۱] ابو داؤد کتاب الادب [۲] ایضاً بر الوالدین [۳] ابو داؤد کتاب الادب باب المعانقہ [۴] ابو داؤد [illegible] [۵] بخاری و ابو داؤد باب السلام [۶] بخاری باب التسلیم علی جماعۃ فیہا الکافر

میں کمی نہ آجائے۔

حسن معاملہ اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے، یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ من بھر غلہ پر ایک یہودی کے ہاں گرو تھی لیکن بہرحال حسن معاملت کا نہایت اہتمام تھا، مدینہ میں دولتمند عموماً یہودی تھے، اور اکثر ان ہی سے آپ قرض لیا کرتے، یہودی عموماً دنی الطبع اور سخت گیر ہوتے ہیں، آپ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیاں برداشت فرماتے تھے، نبوت سے پہلے جن لوگوں سے آپ کے تاجرانہ تعلقات تھے، انھوں نے ہمیشہ آپ کی دیانت اور حسن معاملہ کا اعتراف کیا ہے، اسی لئے قریش نے متفقاً آپ کو امین کا خطاب دیا تھا، نبوت کے بعد بھی گو قریش بغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے، تاہم ان کی دولت کے لئے امن کا مقام آپ ہی کا کاشانہ تھا، عرب میں سائب نام ایک تاجر تھے، وہ مسلمان ہوکر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے بڑے اچھے الفاظ میں ان کا تعارف کرایا، آپ نے فرمایا میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں، سائب نے کہا میرے ماں باپ فدا، آپ میرے ساجھی تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا[۱]

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض کے طور پر لیں، چند روز کے بعد وہ تقاضے کو آیا، آپ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دیں، انصاری نے کھجوریں دیں لیکن ویسی عمدہ نہ تھیں جیسی اس نے دی تھیں، اس شخص نے لینے سے انکار کیا، انصاری نے کہا تم رسول اللہ کی عطا کی ہوئی کھجور کے لینے سے انکار کرتے ہو، بولا ہاں رسول اللہ عدل نہ کریں گے تو اور کس سے توقع کی جاسکتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملے سنے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور فرمایا کہ بالکل سچ ہے[۲]

---

۱ ابوداؤد ج ۲، ص ۲۱۷۔ ۲ ترغیب و ترہیب بحوالہ مسند احمد ص ۲۳ [illegible]

ایک دن ایک بدو آیا جس کا کچھ قرضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا، بدو عموماً وحشی مزاج ہوتے ہیں اُس نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی، صحابہ نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا، اور کہا کہ تجھ کو خبر ہے کہ تو کس سے ہمکلام ہے، بولا کہ میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اسی کا ساتھ دینا چاہیئے کیونکہ اس کا حق ہے (قرضخواہ کو قرض کا حق ہے) اس کے بعد صحابہ کو اس کا قرض ادا کر دینے کا حکم صادر فرمایا اور زیادہ دلوایا)[۵۱]

ایک غزوہ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ ہمرکاب تھے، ان کی سواری میں جو اونٹ تھا سست رو تھا، اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہو گیا تھا آپ نے اونٹ ان سے خرید لیا، اور دام کے ساتھ اونٹ بھی اُن کو دیدیا، کہ دونوں تمہارے ہیں[۵۲]،

(یہی واقعہ ایک روایت میں اس طرح پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا تمہارے پاس کوئی لکڑی ہو تو دو انھوں نے دی، آپ نے اس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر تیز دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے چار دینار پر اونٹ اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک اُن کا سواری کا حق ہے، مدینہ پہنچ کر جابر بن عبداللہ نے قیمت طلب کی، آپ نے بلالؓ سے فرمایا کہ اُن کو قیمت چار دینار اور اس سے کچھ اور زیادہ بھی دو، چنانچہ حضرت بلالؓ نے چار دینار پر ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا)[۵۳]

معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرض تو نہیں ہے اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا، تو صحابہ سے فرماتے کہ جنازہ کی نماز پڑھا دو، خود شریک نہ ہوتے[۵۴]،

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا، جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا، اور فرمایا

---

[۵۱] ابن ماجہ باب لصاحب الحق سلطان [۵۲] بخاری ص ۲۸۲ باب شری الدواب، [۵۳] صحیح بخاری کتاب الوکالۃ، [۵۴] صحیح بخاری ص ۸۰۹ کتاب النفقات،

سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہیں،[1]

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا، سوء اتفاق سے وہ گم گیا، تو اس کا تاوان ادا فرمایا[2]

عموماً فرمایا کرتے تھے کہ میں تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہیں کرتا بجز

اس دینار کے جس کو قرض ادا کرنے کے انتظار میں اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہوں،[3]

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں، آپ نے ایک وسق چھوہاروں پر گوشت چکا لیا، گھر میں آ کر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے باہر تشریف لا کر قصاب سے فرمایا کہ میں نے چھوہاروں پر گوشت چکایا تھا لیکن چھوہارے میرے پاس نہیں ہیں اُس نے واویلا مچائی کہ ہائے بد دیانتی! لوگوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ بد دیانتی کریں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں چھوڑ دو، اس کو کہنے کا حق ہے، پھر قصاب کی طرف خطاب کر کے وہی فقرہ ادا کیا، اُس نے پھر وہی لفظ کہے، لوگوں نے پھر روکا، آپ نے فرمایا اس کو کہنے دو اس کو کہنے کا حق ہے، اور اس جملہ کو کئی بار دہراتے رہے، اس کے بعد آپ نے ایک انصاریہ کے ہاں اُس کو بھجوایا کہ اپنے دام کے چھوہارے وہاں سے لے لے جب وہ چھوہارے لیکر پلٹا، تو آپ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اس کا دل آپ کے حلم و عفو اور حسنِ معاملت سے متاثر تھا، دیکھنے کے ساتھ بولا محمد! تم کو خدا جزائے خیر دے، تم نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی،[4]

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آ کر فروکش ہوا ایک سرخ رنگ کا اونٹ اس کے ساتھ تھا، اتفاقاً ادھر سے آپ کا گذر ہوا، آپ نے اونٹ کی قیمت پوچھی، لوگوں نے قیمت بتائی،

---

[1] ترمذی باب استقراض من السبہ ص ۲۲۵، [2] ترمذی ابواب الکلام ص ۲۳۱، [3] بخاری صحیح ج ۱ ص ۳۲۱ کتاب الاستقراض، [4] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۲۲۰،

بے مول تول لے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہی قیمت منظور کر لی، اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے، بعد کو لوگوں کو خیال آیا کہ جبے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالہ کر دیا، اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو ندامت تھی، قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی، اس نے کہا مطمئن رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا، رات ہوئی تو آپ نے ان کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوا دیں[۱]

غزوۂ حنین میں آپ کو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی، صفوان اس وقت تک کافر تھے ان کے پاس بہت سی زرہیں تھیں، آپ نے ان سے کچھ زرہیں طلب کیں، انھوں نے کہا محمد کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے، فرمایا نہیں، میں عاریۃً مانگتا ہوں اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو میں تاوان دونگا، چنانچہ انھوں نے چالیس زرہیں مسلمانوں کو عاریۃً دیں، حنین سے واپسی کے بعد جب سلاح اور دیگر سامانوں کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زرہیں کم نکلیں، آپ نے صفوان سے کہا تمھاری چند زرہیں کم ہیں ان کا معاوضہ لو، صفوان نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے دل کی حالت پہلے جیسی نہیں ہے یعنی مسلمان ہو گیا، اب معاوضہ کی حاجت نہیں،

عدل وانصاف کوئی شخص گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائے تو اس کے لیے عدل و انصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سو طرح کے سیکڑوں قبائل سے کام پڑتا تھا، یہ آپس میں ایک ایک کے دشمن تھے، ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو وہ دوسرا دشمن بن جاتا، اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تالیف قلب سے کام لینا پڑتا، ان سب مشکلات کے

---

[۱] دار قطنی جلد ثانی صفحہ ۳۰۰، کتاب البیوع [۲] ابوداؤد باب تضمین العاریۃ،

کا اپنے کبھی کسی طرف جھکنے نہ پاتا،

فتح مکہ کے بعد تمام عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردن تسلیم خم نہیں کی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اٹھا لینا پڑا، صخر احمسی تھے، ان کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جاکر طائف کی حصار بندی کی اور اہل شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر وہ مصالحت پر راضی ہو گئے، صخر نے بارگاہ نبوت میں اطلاع کی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آئے کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے، آپ نے صخر کو بلا بھیجا، اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو، اس کے بعد بنو سلیم آئے، کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے، صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا، اب ہم اسلام لائے ہمارا چشمہ ہم کو واپس دلایا جائے، آپ نے صخر کو بلا بھیجا، اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے اس لئے ان کو ان کا چشمہ دیدو، صخر کو منظور کرنا پڑا، راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم سے صخر نے دونوں حکم منظور کئے، تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے [illegible] پر شرم سے سرخی آگئی[1]، کہ صخر کو دونوں معاملوں میں شکست ہوئی، اور فتح طائف کا ان کو کوئی صلہ نہ ملا،

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندان مخزوم سے تھی چوری کی، قریش کی عزت کے خیال سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے، حضرت اسامہ بن زید رسول اللہ کے محبوب خاص تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجئے، انہوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معافی کی درخواست کی، آپ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئی کہ وہ غریب پر حد جاری کرتے تھے اور امراء سے درگذر کرتے تھے

---

[1] ابو داؤد [illegible] صحیح بخاری کی کتاب [illegible]

خیبر کے یہودیوں سے جب صلح ہو کر وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو عبد اللہ
ابن سہل ایک دفعہ کھجوروں کی بٹائی کے لئے گئے؛ محیصہ اُن کے چچیرے بھائی ساتھ تھے، عبد اللہ
گلی میں جا رہے تھے، کہ کسی نے ان کو قتل کر کے لاش ایک گڈھے میں ڈال دی، محیصہ نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر استغاثہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں
نے اُن کو قتل کیا"، بولے میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا، تو یہود سے حلف لیا جائے،
بولے حضرت! یہودیوں کی قسم کا اعتبار کیا، یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالیں گے؛

خیبر میں یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی، یہ یقینی تھا کہ یہودیوں ہی نے عبد اللہ بن سہل
کو قتل کیا ہے، تاہم چونکہ کوئی عینی شہادت موجود نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے
تعرض نہیں فرمایا، اور خونبہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے[1]

طارق محاربی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب میں پھیلنا شروع ہوا تو ہم چند آدمی ربذہ
سے نکلے اور مدینہ کو روانہ ہوئے، شہر کے قریب پہونچکر مقام کیا، زنانی سواری بھی ساتھ تھی،
ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور سلام علیک کی ہم نے سلام کا
جواب دیا، ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا، اسکی قیمت پوچھی، ہم نے جواب دیا، اتنی کھجوریں انھوں نے
کچھ مول تول نہیں کیا اور وہی قیمت منظور کر لی، پھر اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف بڑھے نظروں سے
سے اوجھل ہو گئے، تو سب کو خیال آیا کہ دام رہ گئے، اور ہم لوگ ان کو پہچانتے نہیں، لوگوں نے ایک
دوسرے کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا، محمل نشین خاتون نے کہا مطمئن رہو، ہم نے کسی شخص کا چہرہ اس قدر

[1] یہ واقعہ بخاری و نسائی وغیرہ میں (باب القسامۃ) میں باختلاف روایات مذکور ہے،

چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن نہیں دیکھا، (یعنی ایسا شخص وفا نہ کریگا) رات ہوئی تو ایک شخص آیا کہ رسول اللہ نے تمہارے لئے کھانا اور کھجوریں بھیجی ہیں، دوسرے دن صبح کو ہم لوگ مدینہ میں آئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد میں خطبہ دے رہے تھے، ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا یارسول اللہ یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلہ کے ہیں، اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اسکے بدلہ میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے، آپنے فرمایا باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا۔[۱]

سرقؓ ایک صحابی تھے، انھوں نے ایک بدوی سے ایک اونٹ مول لیا، لیکن قیمت ادا نہ ہو سکی، بدوان کو پکڑ کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں لے گیا، اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قیمت ادا کردو، انھوں نے ناداری کا عذر کیا، آپنے بدو سے کہا کہ بازار لیجا کر ان کو فروخت کر لو، بدوان کو بازار میں لے گیا، ایک صاحب نے دام دے کر بدو سے خریدا، اور آزاد کر دیا۔[۲]

(ابو حدرد اسلمیؓ ایک صحابی تھے جن پر ایک یہودی کا قرض آتا تھا، وہ ان کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے ان کے سوا کچھ نہ تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خیبر کی مہم کا اذکر رہے تھے، ابو حدردؓ نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی لیکن وہ نہ مانا، اور ان کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا، آپنے فرمایا کہ ان کا قرض ادا کردو، انھوں نے عذر کیا، آپنے پھر فرمایا، انھوں نے پھر یہی جواب دیا، اور عرض کی کہ یارسول اللہ غزوہ خیبر قریب ہے، شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے تو میں اسکو ادا کردوں، آپنے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کردو، آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا اور سر سے جو عمامہ بندھا تھا، اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا۔[۳]

---

[۱] دارقطنی ج ۲ ص ۳۰۷، ۳۰۸، [۲] ایضاً ص ۳۱۴، [۳] مسند احمد جلد ۳ ص ۴۲۳ معجم صغیر طبرانی بقلم عبداللہ ا

اس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہود بھی جو آپ کے شدید ترین دشمن تھے، اپنے مقدمات آپ ہی کی بارگاہِ عدالت میں لاتے تھے[1]، اور اُن کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کا صریح ذکر ہے، اسلام سے پہلے یہودیانِ بنو نضیر و قریظہ میں عزت و شرافت کی عجیب و غریب حد قائم تھی، کوئی قرظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا لیکن اگر کوئی قرظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار خرما ٹھہرائی تھی، اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ نے فوراً توراۃ کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری کر دیا[2]،

عدل و انصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے ایک بار آپ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، لوگوں کا گرد و پیش ہجوم تھا، ایک شخص آ کر منہ کے بل آپ پر لد گیا، دستِ مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی، آپ نے اس سے اُس کو ٹھوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سر اس کے منہ میں لگ گیا، اور خراش آگئی، فرمایا مجھ سے انتقام لے لو، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے معاف کر دیا[3]۔

مرض الموت میں آپ نے مجمعِ عام میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے، اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے، مجمع میں سناٹا تھا، صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا، جو دلوا دیئے گئے[4]،

جود و سخا | جود و سخا آپ کی فطرت تھی (ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ میں آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے[5]) تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا[6]،

---

[1] ابوداؤد باب قطعین الطاقیہ جلد ثانی [2] ابوداؤد کتاب الدیات [3] ابوداؤد باب القود بغیر حدید [4] ابن اسحاق بروایت ابن ہشام [5] صحیح بخاری باب بدء الوحی، [6] صحیح بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق،

(انما انا قاسم وخازن واللہ یعطی)[1] (بخاری) میں نے تو صرف دینا بانٹنے والا اور خازن ہوں اور دیتا اللہ ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں آیا، اور دیکھا کہ دور تک آپ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے۔ اس نے آپ سے درخواست کی، اور آپ نے سب کی سب دیدیں، اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کرلو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پروا نہیں کرتے[2]

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا، آپ نے فرمایا، اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، تم میرے ساتھ آؤ حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے، عرض کی کہ آپ کے پاس کچھ موجود نہیں تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے ایک اور صاحب حاضر تھے، انھوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ دیئے جایئے اور عرش والے خدا سے نہ ڈریے، وہ آپ کو محتاج نہ کرے گا، آپ فرطِ بشاشت سے مسکرا دیئے[3]

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اگر آپ کے پاس کچھ سرمایہ موجود رہتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے، ورنہ وعدہ فرماتے، اس معمول کی بنا پر لوگ اس قدر دلیر ہوگئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامتِ نماز کے وقت ایک بدو آیا، آپ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے، خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں اسکو پورا کر دیجئے چنانچہ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے، اور اس کی حاجت برآری کر کے آئے تو نماز پڑھی[4]

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے قیمت چکا دینے کے بعد پھر وہ چیز اس کو بطور عطیہ کے عنایت فرماتے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے ایک اونٹ خریدا اور پھر اسی وقت اس کو عبداللہ بن عمرؓ کو دیدیا، حضرت جابرؓ کے ساتھ بھی اس قسم کا ایک واقعہ مذکور ہے[5]

---

[1] صحیح بخاری باب فرض خمس [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۰ [3] ادب المفرد امام بخاری [4] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۲ [5] ایضاً ص ۲۸۴

کھانے پینے کی چیزوں میں معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے، بلکہ تمام صحابہ کو شریک فرمالیتے، کسی غزوہ میں ۱۳۰ صحابہ ہمراہ تھے، آپ نے ایک بکری خرید کر ذبح کروائی اور کلیجی کے بھونے کا حکم دیا، وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہ کو تقسیم فرمایا، جو لوگ موجود نہ تھے، ان کا حصہ الگ محفوظ رکھا[1]

جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی، جب تک صرف ہو جاتی، آپ کو چین نہ آتا، بیقراری سی رہتی، اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں، کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، تو چہرہ متغیر تھا، اُمّ سلمہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ خیر ہے فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہوگئی، اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے[2]،

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ ایک شب کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہے تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ابوذر! اگر احد کا پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں، اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے لیکن ہاں وہ دینار جس کو میں ادائے قرض کے لئے چھوڑ دوں[3]،

اکثر یہاں تک معمول تھا کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کردی جاتی، گھر میں آرام نہ فرماتے، رئیس فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کرکے خدمت نبوی میں بھیجا حضرت بلالؓ نے بازار میں غلہ فروخت کرکے ایک یہودی کا قرض تھا، ادا کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اطلاع کی، آپ نے پوچھا کچھ بچ تو نہیں رہا، بولے ہاں کچھ بچ بھی رہا، فرمایا کہ جب تک کچھ باقی رہیگا میں نہیں جا سکتا، حضرت بلالؓ نے کہا میں کیا کروں، کوئی سائل نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں رات بسر کی، دوسرے دن حضرت بلالؓ نے آکر کہا یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا،

[1] صحیح مسلم جلد ص ۱۵۹۔ [2] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۲۹۳۔ [3] صحیح بخاری کتاب الاستقراض ص ۳۲۱

یعنی جو کچھ تھا، وہ بھی تقسیم کر دیا گیا، آپ نے خدا کا شکر ادا کیا، اور اٹھ کر گھر تشریف لے گئے؛[1]

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلافِ معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے؛ اور پھر فوراً نکل آئے، لوگوں کو تعجب ہوا، آپ نے فرمایا مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، گمان ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے، اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے، اسلئے جا کر اس کو خیرات کر دینے کو کہہ آیا؛[2]

غزوۂ حنین میں جو کچھ ملا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خیرات فرما کر واپس آ رہے تھے، راہ میں بدؤوں کو خبر ملی کہ ادھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہونے والا ہے، آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے، اور لپٹ گئے کہ ہمیں بھی کچھ عنایت ہو، آپ ازدحام سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے، انھوں نے ردائے مبارک تھام لی، بالآخر اس کشاکش میں جسم اطہر سے چادر اتر کر ان کے ہاتھ میں رہ گئی، فیاضِ عالم نے کہا میری چادر دیدو، خدا کی قسم اگر ان جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو میں سب تم کو دیدیتا، اور پھر مجھ کو بخیل نہ پاتے، نہ دروغگو نہ نامرد؛[3]

لوگوں کو عام حکم تھا کہ جو مسلمان مرجائے، اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، میں اس کو ادا کر دوں گا، اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں؛

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے، ایک بدو آیا، اور آپ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچکر بولا، "محمد یہ مال نہ تیرا ہے، نہ تیرے باپ کا ہے، ایک بار شتر دے" آپ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا؛[4]

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا، اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دارالاسلام میں

---

[1] ابو داؤد باب ہدایا المشرکین۔ [2] صحیح بخاری یفکر الرجل الشئی فی الصلوٰۃ، [3] صحیح بخاری باب الشجاعۃ فی الحرب،
[4] صحیح بخاری و ابو داؤد کتاب الادب؛

نہیں آئی تھی، آپ نے حکم دیا کہ اس کو صحن مسجد میں ڈلوا دو، اس کے بعد جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو اس پر مڑ کر بھی نظر نہ ڈالی، نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس کی تقسیم شروع کی، جو سامنے آتا، اس کو دیتے چلے جاتے، حضرت عباسؓ کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولتمند نہیں رہے تھے، اتنا دیا کہ اٹھا کر چل نہیں سکتے تھے اسی طرح اور لوگوں کو بھی عنایت فرماتے جاتے تھے، جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے[1]

اسلام میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام مر جائے تو اس کا ترکہ اس کے آقا کو ملتا ہے، ایک دفعہ آپ کا اسی قسم کا ایک غلام مر گیا، لوگ اس کا متروکہ سامان اٹھا کر آپ کے پاس لائے، آپ نے دریافت فرمایا کہ کوئی اس کا یہاں ہموطن ہے، لوگوں نے کہا ہاں ہے، آپ نے فرمایا یہ تمام چیزیں اسی کے حوالہ کر دو،[2]

ایک دفعہ چند انصار نے آپ سے کچھ مانگا، آپ نے دیدیا، پھر مانگا، پھر دیا، پھر جب تک رہا آپ دیتے گئے یہاں تک کہ آپ کے پاس کچھ نہیں رہا، لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوئے، اور درخواست کی فرمایا میرے پاس جو کچھ ہو میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا،[3]

ایثار آپ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا، وہ ایثار تھا، اولاد سے آپ کو بے انتہا محبت تھی، اور ان میں حضرت فاطمہ زہراؓ اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں تو فرط محبت سے کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے تاہم حضرت فاطمہؓ کی عسرت و تنگدستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، خود چکی پیستیں، خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں، اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے، ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کر سکیں جناب امیرؓ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا

---

[1] صحیح بخاری ج ٢ باب القسمہ [2] مسند ابن حنبل ج ٢ ص ١٤٥ [3] صحیح بخاری ص ١٠٠٠، کتاب الصدقات

اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں، اُن میں سے ایک کنیز مل جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا، اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہولے، میں ادھر توجہ نہیں کر سکتا۔[۹۱]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہؓ ہمراہ خدمتِ اقدس میں گئیں، اور اپنے افلاس و تنگدستی کی شکایت کر کے عرض کی کہ اب کی غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں اُن میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں، آپ نے فرمایا، بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔[۹۲]

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی، فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہلِ صُفّہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں۔[۹۳]

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لا کر پیش کی، آپ کو ضرورت تھی، آپ نے لے لی، ایک صاحب حاضر خدمت تھے، انھوں نے کہا کیا اچھی چادر ہے، آپ نے اتار کر ان کو دے دی، جب اٹھ کر چلے گئے، تو لوگوں نے اُن کو ملامت کی، کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں کرتے، انھوں نے کہا ہاں لیکن میں نے تو برکت کے لئے لی ہے کہ مجھکو اسی چادر کا کفن دیا جائے۔[۹۴]

زہد و قناعت کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہیں، اُن سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس عسرت اور تنگدستی میں بسر فرماتے تھے، ۳ھ کے بعد فتوحات کی وسعت

---

۹۱ یہ روایت کتب احادیث (سنن ابوداؤد وغیرہ) میں مختلف طریقوں سے مروی ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک دعا بتا دی کہ یہ لونڈی سے بڑھ کر ہے، ۹۲ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۳ ۹۳ مسند احمد ج ۱ ص ۹۰، ۹۴ صحیح بخاری باب حسن الخلق، والسخاء و باب من استعد للکفن۔

حاصل ہوئی ہے، عرب میں باغات سب سے بہتر جائداد تھی، سنہ ۳ھ[1] میں یہودیانِ بنو نضیر میں سے مخیریق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ مثیب، صائفہ، دلال، حسنیٰ، برقہ، اعواف، مشربۂ ام ابراہیم مرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کر دیے، آپ نے سب کو خیرات کر دیا یعنی وہ خدا کی راہ میں وقف تھے، جو کچھ پیدا ہوتا تھا غربا اور مساکین کو دیدیا جاتا تھا[2]۔

ایک صحابیؓ نے شادی کی، سامانِ ولیمہ کے لئے گھر میں کچھ نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ، اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، وہ گئے، اور جاکر لے آئے، حالانکہ کاشانۂ نبوت میں اس ذخیرے کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا[3]۔

ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا، رات کو کھانے کے لئے صرف بکری کا دودھ تھا[4] وہ آپ نے اس کے نذر کر دیا، یہ تمام رات خانۂ نبوت میں فاقہ سے گذری، حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا[5]۔

مہمان نوازی عرب میں مختلف اطراف اور صوبوں سے جوق در جوق لوگ بارگاہِ نبویؐ میں آتے تھے، رملہؓ ایک صحابیہ تھیں، اُن کا گھر دار الضیوف تھا[6] یہیں لوگ مہمان اُترتے تھے، اُمِ شریکؓ جو ایک دولتمند اور فیاض انصاریہ تھیں، ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان خانہ تھا جس لوگ مسجد نبوی میں آکے جاتے تھے، چنانچہ وفد ثقیف یہیں اُترا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس ان مہمانوں کی خاطر داری اور تواضع فرماتے تھے، یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے بغیر کچھ کھائے پئے واپس نہ آتے تھے[7]۔

---

۱ فتح الباری شرح کتاب الفرائض ۲ اصابہ تذکرہ مخیریق ۳ مسند احمد جلد ۴ ص ۵۰ ۴ مسند احمد جلد ۶ ص ۳۹۷ ۵ زرقانی ذکر وفود ۶ مسلم جلد ۲ ص ۵۱۹ ۷ شمائل ترمذی۔

فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا، مشرک و کافر سب آپ کے مہمان ہوتے، اور آپؐ یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے جب اہلِ حبشہ کا وفد آیا تو آپؐ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا، اور خود بہ نفسِ نفیس اُن کی خدمت کی،[1] ایک دفعہ کافر مہمان ہوا، آپؐ نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا، وہ سارے کا سارا پی گیا، آپؐ نے دوسری بکری منگوائی، وہ بھی کافی نہ ہوئی، غرض سات بکریوں تک نوبت آئی، جب تک وہ سیر نہ ہوا، آپ پلاتے گئے،[2]

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے، اور گھر میں جو کچھ موجود رہتا وہ ان کی نذر ہوجاتا، اور تمام اہل وعیال فاقہ کرتے،[3] آپ راتوں کو اُٹھ اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے،[4]

صحابہ میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحابِ صفہ کا تھا، وہ مسلمانوں کے مہمان عام تھے، لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا، ایک بار آپؐ نے فرمایا، کہ جس شخص کے پاس دو آدمی کا کھانا ہو، وہ ان میں سے تین آدمی کو اور جن کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ اُن میں سے پانچ آدمی کو ساتھ لیجائے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ تین آدمی کو ساتھ لائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو ہمراہ[5] لے گئے،

اصحابِ صُفہ میں حضرت ابوہریرہؓ اپنے فقر وفاقہ کی داستان نہایت دردانگیز طریقہ سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز شدتِ گرسنگی کی حالت میں گذرگاہ عام پر بیٹھ گیا، حضرت ابوبکرؓ راستے سے گذرے تو میں نے بطور حسن طلب کے اُن سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گذر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہی نتیجہ ہوا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو آپ مجھکو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے ساتھ ساتھ آؤ

---

[1] شفاء قاضی عیاض بسند متصل [2] صحیح مسلم باب المومن یاکل فی معی [3] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۹۰

آپ گھر میں پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا، آپ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہے، آپ نے مجھ سے کہا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ، میں ان کو بلا لایا، تو آپ نے مجھ کو دودھ کا پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کردو[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے، جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور اصحاب صفہ اسکے گرد بیٹھ جاتے یہاں تک کہ جب زیادہ مجمع ہو جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو زانوں بیٹھنا پڑتا، کہ لوگوں کے لئے جگہ نکل آئے[2]۔

مقدادؓ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگدست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی، ہم لوگوں نے اپنے تکفل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہیں کیا، آخر ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ دولتخانہ پر لوا گئے، اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو، چنانچہ ہم میں ہر شخص دودھ دوھ کر اپنا اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا[3]،

ایک دن اصحاب صفہ کو لیکر حضرت عائشہؓ کے گھر پہونچے، اور فرمایا کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ، چونی کا پکا ہوا کھانا، سامنے لاکر رکھا گیا، آپ نے کھانے کی کوئی چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا، اس کے بعد بڑے پیالہ میں دودھ حاضر کیا گیا اور یہی سامان مہمانی کی آخری قسط تھی[4]،

گداگری اور سوال سے نفرت باوجود اس کے کہ آپ کا ابر کرم ہر وقت برستا رہتا تھا، تاہم کسی کا بے ضرورت شدید سوال کرنا، آپ پر سخت گران ہوتا تھا، ارشاد فرماتے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لاد کر لائے، اور بیچکر اپنی آبرو بچائے، تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے[5]،

ایک دفعہ ایک انصاری آئے اور کچھ سوال کیا، آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟

---

[1] ترمذی ص ۲۹۹ [2] ابوداؤد کتاب الاطعمہ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۸ [4] ابوداؤد کتاب الادب
[5] صحیح بخاری۔ کتاب الصدقات صفحہ ۱۹۸،

بولے کہ بس ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں اور کچھ بچھا لیتا ہوں اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے
آپ نے دونوں چیزیں منگوائیں، پھر فرمایا یہ چیزیں کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے دو درم لگائے،
آپ نے فرمایا اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگاتا ہے؟ ایک صاحب نے ایک کے دو کر دیئے آپ نے دونوں چیزیں
دیدیں اور درہم انصاری کو دیئے کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر میں دیدو اور دوسرے سے رسی خرید لو
اور جنگل سے لکڑیاں لا کر شہر میں بیچو، پندرہ دن کے بعد وہ خدمتِ اقدس میں آئے، تو دس درہم
اُن کے پاس جمع ہو گئے تھے، اس سے کچھ کپڑا خریدا، کچھ کا غلہ مول لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت میں چہرہ پر گدائی کا داغ لگا کر جاتے؟[1]

ایک دفعہ چند انصاری آئے، اور سوال کیا آپ نے عنایت فرمایا، پھر جب تک کچھ رہا آپ نے
اُن کی درخواست رد نہیں فرمائی جب کچھ نہیں رہا تو آپ نے فرمایا میرے پاس جب تک کچھ رہے گا
میں تم سے بچا کر اس کو نہیں رکھوں گا لیکن جو شخص اللہ سے یہ دعا مانگے کہ وہ اسکو سوال اور گداگری کی
ذلت سے بچائے تو وہ اس کو بچا دیتا ہے، اور جو خدا سے غنی کا طالب ہوتا ہے وہ اس کو غنی مرحمت فرماتا ہے اور
جو صبر کرتا ہے اللہ اس کو صابر بنا دیتا ہے اور صبر کوئی بہتر اور وسیع تر دولت کسی کو نہیں دی گئی ہے؟[2]

حکیمؓ بن حزام فتحِ مکہ میں اسلام لائے تھے، ایک دفعہ انھوں نے آپ سے کچھ طلب کیا آپ نے
عنایت فرمایا کچھ دن کے بعد پھر مانگا، آپ نے پھر ان کو دیا، تیسری دفعہ پھر سوال کیا، پھر کچھ مرحمت
کیا، اس کے بعد فرمایا اے حکیم! یہ دولت سبز و شیریں ہے جو استغنا کیساتھ اس کو قبول کرتا ہے اس پر برکت
ہوتی ہے اور جو حرص و طمع کیساتھ اس کو حاصل کرتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے، اور اسکی مثال اس شخص کی

---

[1] ابوداؤد و ترمذی صدقات: [2] صحیح بخاری ص ۱۹۰ کتاب الصدقات

جیسی ہی، جو کھایا جاتا ہی، ادر سیر نہیں ہوتا، دست بالا دستِ زیریں سے بہتر ہی[1] حکیم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہی کبھی کسی سے معمولی چیز بھی نہیں مانگی۔

حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدقات کا مال تقسیم فرما رہی تھے کہ دو صاحب آکر شامل ہو گئے، آپنے اُن کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پاؤں کے درست معلوم ہوئے، آپنے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تندرست کام کرنے کے لائق لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہی[2]۔"

قبیصہ نام ایک صاحب تھے، وہ مقروض ہو گئے تھے، آپکے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی، آپنے وعدہ کیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا، "اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے، ایک اُس شخص کو جو قرض سے زیادہ زیر بار ہو، وہ مانگ سکتا ہی لیکن جب اسکی ضرورت پوری ہو جائے تو اُس کو رُک جانا چاہئے، دوسرے اُس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی جسنے اُس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کیا، اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اسکی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے، تیسرے اُس شخص کو جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلّہ کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اُس کو فاقہ ہے، اُسکے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہی وہ حرام کھاتا ہی[3]۔"

صدقہ سے پرہیز | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور اپنے خاندان کے لئے صدقہ و زکوٰۃ لینے کو سخت موجب ننگ و عار سمجھتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں جی میں آتی ہے کہ اٹھا کر منہ میں ڈال لوں، پھر خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدقہ کی کھجور نہ ہو، اسلئے ڈال دیتا ہوں[4]۔"

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب الصدقات [2] ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ [3] ایضاً [4] بخاری ج ۱ ص ۳۲۸ کتاب اللقطہ

ایک دفعہ راستہ میں ایک کھجور ہاتھ آگئی، فرمایا اگر صدقہ کا شبہہ نہ ہوتا تو میں اس کو کھا جاتا[1]

ایک بار امام حسن علیہ السلام نے صدقہ کی کھجوروں میں سے منہ میں ایک کھجور ڈال لی آپ نے ڈانٹ کر کہا "کیا تمھیں یہ خبر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا" پھر منھ سے اگلوا دیا۔[2]

آپ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لیکر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر ہدیہ کہتا قبول فرماتے، اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ تو آپ ہاتھ روک لیتے، اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرماتے[3]

ہدایا اور تحفے قبول کرنا

(دوست احباب کے ہدایا اور تحفے آپ قبول فرماتے تھے، بلکہ آپ نے اس کو ازدیادِ محبت کا بہترین ذریعہ فرمایا ہے،

تہادوا تحابوا (حدیث) باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو، تو باہم محبت ہوگی

اسی لئے صحابہ عموماً کچھ نہ کچھ روز آپ کے گھر بھیجا کرتے تھے، اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے، جس دن آپ حجرۂ عائشہؓ میں قیام فرماتے تھے[4]، اوپر گذر چکا ہے کہ کوئی چیز آپ کے سامنے پیش کی جاتی تو آپ دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ ہوتا تو قبول فرماتے ورنہ احتراز کرتے[4] ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمت اقدس میں پیش کی، آپ نے لے لی، اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی، آپ نے اُن کو عنایت فرمادی[5]

آس پاس کے ملوک و سلاطین بھی آپ کو تحفے بھیجا کرتے تھے حدود شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا، عزیز مصر نے ایک خچر مصر سے بھیجا تھا، ایک امیر نے آپ کو موزے بھیجے تھے،

ایک دفعہ قیصر روم نے آپ کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی جس میں دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی

[1] بخاری ج ا ص ۲۰۰، ۳۲۲، کتاب اللقطہ [2] بخاری ج ۲ ص ۱، ۲۰، کتاب الصدقات [3] بخاری مناقب عائشہ [4] صحیح بخاری کتاب الصدقۃ [5] صحیح بخاری کتاب الجنائز

آپنے ذرا دیر کے لئے پہن لی، پھر اتار کر حضرت جعفرؓ حضرت علیؓ کے بھائی، کے پاس بھیج دی وہ پہن کر خدمتِ اقدس میں آئے، آپنے ارشاد فرمایا کہ "میں نے اس لئے نہیں بھیجی کہ تم خود پہنو" عرض کی پھر کیا کروں، ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیجدو۔ حضرت جعفرؓ ایک مدت یعنی فتح خیبر تک حبش میں رہے تھے، اور نجاشی نے ان ہی سے اسلام کی تعلیم پائی تھی،

ہدایا اور تحفہ دینا۔ (جن لوگوں کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے، اُن کو اُن کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے حضرت عائشہؓ سے روایت ہو کان یقبل الھدیۃ ویثیب علیھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے، اور اس کا معاوضہ دیتے تھے،) یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی، اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قیمتی حلّہ بھیجا جس کو اس نے ۳۳ اونٹوں کے بدلہ میں خریدا تھا، آپنے قبول فرمایا، اور پھر اُس کو ایک حلہ ہدیتہً بھیجا، جو ۲۰ سے کچھ زیادہ اونٹ دیکر خریدا گیا تھا،

(ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں ہدیۃً ایک اونٹنی پیش کی آپ نے اس کا صلہ دیا، تو وہ سخت ناراض ہوا، آپنے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب عام کیا، اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور میں بقدر استطاعت اس کا صلہ دیتا ہوں، تو ناراض ہوتے ہو آئندہ قریش، انصار، ثقیف، اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کروں گا،)

حضرت ابو ایوب انصاری جن کے مکان میں آپ چھ مہینہ تک فروکش رہے تھے آپ اکثر ان کو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے، ہمسایوں اور بڑی بیوں کے گھروں میں بھی تحفے بھیجتے تھے اصحاب صفہ اکثر آپ کے

۱ ابوداؤد ص ۲۰۵ ج دوم ۲ ایضاً ص ۲۰۳ (۳) ادب المفرد امام بخاری ص ۱۰۱ ۔ ۴ مسلم کتاب الاطعمہ

تحفوں سے مشرف ہوا کرتے تھے۔

عدم قبول احسان کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے۔ حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ کر جاں نثار کون ہو سکتا تھا تاہم ہجرت کے وقت جب انھوں نے سواری کے لیے ناقہ پیش کیا تو آپ نے قیمت ادا کی۔[1] مدینہ میں مسجد کے لیے جو زمین درکار تھی مالکان زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی لیکن آپ نے قیمت دیکر لی۔

ایک دفعہ عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں ہمسفر تھے، عبد اللہ بن عمرؓ کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا، عبد اللہ بن عمرؓ روکتے تھے لیکن وہ قابو کا نہ تھا حضرت عمرؓ بار بار عبد اللہ بن عمرؓ کو ڈانٹتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے کہا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ ڈالو، انھوں نے کہا نذر ہے، آپ نے فرمایا نہیں دام دو، انھوں نے دوبارہ عرض کی کہ یوں ہی حاضر ہے آپ نے انکار کیا، بالآخر حضرت عمرؓ نے دام لینے منظور کیے، آپ نے خرید کر عبد اللہ بن عمرؓ کو دیدیا کہ اب یہ تمہارا ہے۔[2]

عدم تشدد حضرت معاذ بن جبلؓ (جو اکابر صحابہ میں سے تھے) ایک محلہ میں امامت کرتے تھے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ وہ اتنی لمبی نماز پڑھتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں۔ ابو مسعود انصاریؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اس قدر غضبناک نہیں دیکھا جس قدر اس وقت پر دیکھا، آپ نے لوگوں سے خطاب کرکے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں، جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے کیونکہ نماز میں بوڑھے، کمزور، کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔[3]

حد و قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے اور جہاں تک ممکن ہوتا درگذر کرنا چاہتے، ماعز اسلمی ایک

---

[1] بخاری ص ۵۵۳ [2] ایضاً ص ۲۸۴ [3] بخاری کتاب الصلوٰۃ و باب ہل یقضی الحاکم و ہو غضبان ص ۱۰۶۰

صاحب تھے، جو زنا میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن فوراً مسجد میں آئے، اور کہا یا رسول اللہ! میں نے بدکاری کی آپ نے منھ پھیر لیا، وہ دوسری سمت آئے، آپ نے ادھر سے منھ پھیر لیا، آپ بار بار منھ پھیر لیتے اور وہ بار بار سامنے آکر زنا کا اقرار کرتے، بالآخر آپ نے فرمایا کہ تم کو جنون تو نہیں ہے؟ بولے نہیں، پھر پوچھا تمہاری شادی ہو چکی ہے، بولے ہاں، آپ نے فرمایا کہ تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا، بولے نہیں بلکہ مجامعت کی، آخر مجبور ہو کر آپ نے حکم سنا دیا کہ سنگسار کیے جائیں۔[1]

ایک دفعہ ایک شخص نے آکر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا، آپ حد (سزا) کا حکم دیں، آپ چپ رہے، اور نماز کا وقت آگیا، نماز کے بعد انھوں نے پھر آکر وہی درخواست کی، آپ نے فرمایا کیا تم نے نماز نہیں پڑھی، بولے ہاں پڑھ لی، ارشاد فرمایا تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کر دیا۔[2]

ایک دفعہ قبیلہ غامد کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ میں نے بدکاری کی، آپ نے فرمایا واپس جاؤ، دوسرے دن پھر آئی، اور بولی کہ کیا آپ مجھ کو ماعز کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہیں، خدا کی قسم مجھ کو حمل رہ گیا ہے، پھر فرمایا، واپس جاؤ، وہ چلی گئی، تیسرے دن پھر واپس آئی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو، جب بچہ پیدا ہوا تو بچہ کو گود میں لیے ہوئے آئی (یعنی اب زنا کی سزا دینے میں کیا تامل ہے) آپ نے فرمایا کہ دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو، جب دودھ چھوٹ جائے تب آنا، جب رضاعت کا زمانہ گذر گیا تو پھر حاضر ہوئی، اب آپ نے مجبور ہو کر سنگسار کرنے کا حکم دیا، لوگوں نے اس پر پتھر برسانے شروع کیے، ایک صاحب کا پتھر اس کے چہرہ پر لگا اور خون کی چھینٹیں اڑ کر ان کے چہرہ پر آئیں، انھوں نے اس کو گالی دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زبان روکو، خدا کی قسم اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبرًا محصول

---

[1] یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں ہے، موقع کے لیے ص ۱۰۰۸ دیکھنا چاہیے [2] بخاری ص ۱۰۰۸۔

لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا۔"[1]

ایک دن ایک صاحب نے عرض کی کہ ہم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے ملک میں رہتے ہیں، کیا ان کے برتنوں میں کھانا کھا لیا کریں؟ فرمایا اور برتن ہاتھ آئیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ ورنہ ان کو دھو کر کھا سکتے ہو۔[2]

ایک بار ایک صحابی نے ماہ رمضان تک کے لئے اپنی بی بی سے ظہار کر لیا، لیکن ابھی یہ مدت گذرنے نہ پائی تھی کہ اس سے مقاربت کر لی، پھر لوگوں کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو، سب نے انکار کر دیا، انھوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، آپ نے پہلے تو تعجب ظاہر کیا، پھر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا؛ انھوں نے ناداری کا عذر کیا، تو آپ نے متصل دو ماہ تک روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی، انھوں نے کہا یہ سب تو رمضان ہی کی وجہ سے ہوا ہے، اب آپ نے ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کرنے کو فرمایا، انھوں نے کہا ہم تو خود فاقہ کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ صدقہ کے عامل کے پاس جاؤ وہ تمھیں ایک وسق کھجور دیگا، اس میں سے ساٹھ مسکینوں کو دیدینا، او جو بچے وہ اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا، پلٹے تو لوگوں سے کہا کہ تم لوگ متشدد اور بد تدبیر تھے، لیکن مجھے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حسن رائے اور آسانی نظر آئی۔[3]

ایک بار ایک اور صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں برباد ہو گیا، روزہ میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا۔ آپ نے فرمایا، ایک غلام آزاد کر سکتے ہو، کہا نہیں، فرمایا دو مہینے تک متصل روزہ رکھ سکتے ہو، کہا نہیں، فرمایا ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا سکتے ہو، کہا اسکی بھی قدرت نہیں

---

[1] ابو داؤد کتاب الحدود [2] بخاری ج ۲ ص ۸۲۳ [3] ابو داود ج ص ۳۰۰

آنحضرتؐ نے تامل فرمایا، کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک شخص نے کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیۃً پیش کی، آپ نے فرمایا سائل کہاں گیا، سائل نے کہا یا رسول اللہ میں یہ ہوں، فرمایا ان کھجوروں کو لیجاؤ اور کسی غریب کو خیرات دیدو، سائل نے عرض کی یا رسول اللہ مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا جاؤ گھر ہی والوں کو کھلادو[۱]"

تقشف ناپسند تھا

رہبانیت اور تقشف کو ناپسند فرماتے تھے، صحابہ میں سے بعض بزرگ میلان طبعی یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باز رکھا، بعض صحابہ ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے، انھوں نے قطع عضو کرنا چاہا، آپ نے سخت ناراضی ظاہر کی، قدامہ بن مظعون ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترک حیوانات اور دوسرے نے ترکِ نکاح کا عزم کر لیا ہے، آپ نے فرمایا کہ "میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں" آپ کی مرضی نہ پاکر دونوں صاحب اپنے ارادہ سے باز رہے، عرب میں صوم وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا، یعنی کئی کئی دن متصل روزے رکھتے تھے، صحابہ نے بھی اس کا ارادہ کیا، لیکن آپ نے سختی سے روکا، حضرت عبداللہ بن عمرو نہایت مرتاض زاہد تھے، انھوں نے عہد کر لیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے، عرض کی "ہاں" فرمایا تم پر تمھارے جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، بیوی کا حق ہے، مہینہ میں تین دن کے روزے کافی ہیں" عبداللہ بن عمرو نے کہا مجھ کو اس سے زیادہ طاقت ہے، فرمایا کہ اچھا تیسرے دن، بولے میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں، ارشاد فرمایا کہ ایک دن بیچ دیکر کہ یہی داؤد کا روزہ تھا، اور یہی افضل الصیام ہے، انھوں نے

---

[۱] بخاری ج ص ۲۰۰ باب اذا جامع فی رمضان۔

عرض کی کہ مجھکو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے، ارشاد ہوا بس اس سے زیادہ بہتر نہیں۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے استقبال کیا، اور چمڑے کا گدا بچھا دیا، آپ زمین پر بیٹھ گئے اور ان سے کہا کہ تم کو مہینہ میں تین روزے بس نہیں کرتے، عرض کی نہیں، فرمایا پانچ، بولے نہیں عرض آپ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر راضی نہ ہوتے، بالآخر آپ نے فرمایا کہ اخیر حد یہ ہے کہ ایک دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو۔[2]

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں جوان آدمی ہوں اور اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کروں، نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہے، حضرت ابوہریرہؓ نے پھر ان ہی الفاظ کا اعادہ کیا، آپ چپ رہے، سہ بارہ کہا تو آپ نے فرمایا کہ خدا کا حکم ٹل نہیں سکتا۔[3]

قبیلۂ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس گئے، سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا لیکن اتنے ہی زمانہ میں ان کی شکل و صورت اسقدر بدل گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہ پہچان سکے، انھوں نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے پوچھا کہ تم تو نہایت خوش جمال تھے، تمھاری صورت کیوں بگڑ گئی، انھوں نے کہا جب سے آپ سے رخصت ہوا متصل روزے رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا اپنی جان کو کیوں عذاب میں ڈالا، رمضان کے علاوہ ہر مہینہ میں ایک دن کا روزہ کافی ہے، انھوں نے کہا اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں، آپ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا، انھوں نے اور اضافہ کی درخواست کی، آپ نے تین کر دیے، ان کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی، تو آپ نے شہر حرام کے روزے

[1] صحیح بخاری کتاب الصوم [2] بخاری کتاب النکاح [3] ایضاً

کا حکم دیا۔[۱]

ایک دن چند صحابہ خاص اس غرض سے ازواج مطہراتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے حالات دریافت کریں وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہوں گے، حالات سنے تو ان کے معیار کے موافق نہ تھے، بولے کہ بھلا ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ ان کے پچھلے پہلے گناہ سب خدا نے معاف کر دیے ہیں، پھر ایک صاحب نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے صاحب بولے میں عمر بھر روزہ رکھوں گا، ایک اور صاحب نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے، فرمایا کہ "خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، تاہم روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے۔"[۲]

کسی غزوہ میں ایک صحابی کا ایک غار پر گذر ہوا جس میں پانی تھا، اور آس پاس کچھ بوٹیاں تھیں، خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی، یا رسول اللہ! مجھ کو ایک غار مل گیا ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشین ہو کر ترک دنیا کر لوں، آپ نے فرمایا "میں یہودیت یا نصرانیت لیکر دنیا میں نہیں آیا، میں آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لیکر آیا ہوں۔"[۳]

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی

مداحی اور تعریف کو بھی (اگر دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ مجلس اقدس میں ایک شخص کا مذکور نکلا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی، آپ نے فرمایا تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی۔" یہ الفاظ چند بار فرمائے پھر ارشاد کیا

---

[۱] ابوداؤد ص ۲۲۴ [۲] صحیح بخاری کتاب النکاح [۳] مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۶۶،

تم کو اگر کسی کی خوبی تحواہی مدح کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہے۔[1]

ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا حضرت مقدادؓ بھی موجود تھے، انھوں نے زمیں سے خاک اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دی اور حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک بھر دیں۔[2]

ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف لائے ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، محجن ثقفیؓ سے پوچھا یہ کون ہے، محجنؓ نے ان کا نام بتایا، اور بہایت تعریف کی، ارشاد فرمایا کہ "دیکھو یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائے گا، یعنی دل میں غرور پیدا ہو گا۔ جو موجب ہلاکت ہو گا۔"

ایک دفعہ اسود بن سریع جو شاعر تھے خدمت عالی میں آئے اور عرض کی کہ میں نے خدا کی حمد اور حضور کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں، فرمایا کہ ہاں خدا کو حمد پسند ہے، اسود نے اشعار پڑھنے شروع کیے، اسی اثنا میں کوئی صاحب باہر سے آ گئے، آپ نے اسود کو روک دیا، وہ کچھ دیر باتیں کر کے چلے گئے، پھر اسود نے پڑھنے شروع کیے، وہ صاحب پھر آ گئے، آپ نے اسود کو روک دیا، دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا، اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے لیے آپ مجھکو بار بار روکتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو فضول باتیں پسند نہیں کرتا۔[3]

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسانؓ کو منبر پر بٹھا کر ان کے اشعار سنتے تھے، اور فرماتے تھے اللھم ایدہ بروح القدس حالانکہ یہ اشعار آنحضرت کی مدح میں ہوتے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسانؓ کے اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے، اور یہ شعراء کو

---

[1] ادب المفرد ص ۷۷ [2] ایضاً ص ۔۔ [3] ایضاً ص ۔۔ [4] ایضاً

یہ رتبہ حاصل تھا کہ زورِ کلام سے جس شخص کو چاہتے ذلیل اور جس کو چاہتے معزز کر دیتے، ابن الزبعری اور کعب بن اشرف وغیرہ نے اس طریقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرر پہنچانا چاہا تھا، حسان کی مداحی انکا رد عمل تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

معمول تھا کہ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لیجاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں گے،[۱]

روز روز کنگھا کرنا ناپسند فرماتے، ارشاد تھا کہ ایک دن بیچ دے کر کنگھا کرنا چاہیئے،

کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے، کسی چیز میں تکلیف نہ تھا، کھانے میں جو سامنے آتا، تناول فرماتے، پہننے کو موٹا جھوٹا جو ملتا پہن لیتے، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ آپکے لیے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کیجاتی تھی،[۲] کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے، لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے، سامانِ آرائش سے طبعاً نفور تھے،[۳] غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی۔

امارت پسندی سے اجتناب

اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے لا رهبانية في الاسلام، اسی بنا پر آپ ہر قسم کے جائز حظوظ دنیوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے، اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے متمتع ہوتے تھے، تاہم ناز و نعمت، تکلف و عیش پرستی کو ناپسند فرماتے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا، حضرت فاطمہ زہراؓ نے کہا کہ رسول اللہ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا، حضرت علیؓ گئے، اور آپ سے جا کر عرض کی، آپ تشریف لائے لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں واپس چلے گئے، حضرت علیؓ نے واپسی کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ

---

[۱] ابوداؤد ج۲ ص۲۰۰ [۲] دیکھو شمائل [۳] صحیح بخاری کتاب الاطعمہ ص ۲۰، و صحاح کی کتاب اللباس میں متعدد روایتیں

کسی زیب و زینت کے مکان میں داخل ہو)

فرمایا کرتے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لیے، ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔[1]

ایک دفعہ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، حضرت عائشہؓ رہ گئیں، لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیر لگی ہوئی ہے، اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ خدا نے ہم کو دولت اس لیے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں۔[2]

ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد بہت بلند تھا آپ نے دیکھا تو پوچھا کس نے بنایا ہے لوگوں نے نام بتایا، آپ چپ ہو رہے جب وہ حسب معمول خدمت اقدس میں آئے اور اسلام کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا، انھوں نے پھر سلام کیا، آپ نے پھر منہ پھیر لیا، وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی وجہ کیا ہے جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا، ایک دن آپ بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا، ارشاد فرمایا کہ ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کیلئے وبال ہے۔[3]

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی آپ نے پہن لی، پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی، حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپ نے جو چیز ناپسند کی مجھکو عنایت ہوتی ہے ارشاد ہوا میں نے استعمال کیلئے نہیں بلکہ فروخت کیلئے بھیجی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو دو ہزار درم پر اٹھی۔[4]

ایک دفعہ کسی نے ایک مخطط جوڑا بھیجا آپ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا، وہ پہنکر خدمت اقدس

---

[1] ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۱ [2] ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۰ ، کتاب اللباس [3] ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۵ [4] ایضاً ص ۱۹۳

[5] ایضاً کتاب اللباس،

میں آئے، آپ کے چہرہ پر غضب کے آثار پیدا ہوئے، اور فرمایا کہ "میں نے اس لیے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادریں بنائی جائیں"[۱]

مہر کرنے کی ضرورت سے جب آپ نے انگوٹھی بنوائی تو پہلے سونے کی بنوائی، آپ کی تقلید میں صحابہ نے بھی زریں انگوٹھیاں بنوائیں، آپ منبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ "اب نہ پہنوں گا" صحابہ نے بھی اسی وقت اتار کر پھینک دیں[۲]

جس طرح آپ خود سادگی پسند فرماتے تھے، اسی طرح آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کے اہل و عیال بھی سادہ زندگی بسر کریں اور تکلف و تنعم سے پاک رہیں، عورتوں کو شریعت میں سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت کرام کے لیے اس بات کو بھی خلاف اولیٰ تصور فرماتے تھے،

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تم کو یہ ناگوار نہ ہو گا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے[۳]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن (مسکۃ) دیکھے، فرمایا کہ اگر اسکو اتار کر درس کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا[۴]

ایک دفعہ نجاشی نے کچھ زیورات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً بھیجے ان میں ایک انگوٹھی تھی، جس میں حبشی پتھر کا نگینہ جڑا تھا، آپ کے چہرہ پر کراہت کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور لکڑی سے اس کو چھوتے تھے، ہاتھ نہیں لگاتے تھے[۵]

---

[۱] ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۴ کتاب اللباس [۲] ابوداؤد کتاب الخاتم [۳] نسائی ج ۲ ص ۲۸۳ [۴] ایضاً [۵] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۱۱۹،

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیۃً بھیجا، آپ نے پہن لیا، اور اس کو پہنکر نماز ادا فرمائی، نماز سے فارغ ہو کر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوچ کر اتار ڈالا، پھر فرمایا "پرہیز گاروں کے لیے یہ کپڑے مناسب نہیں"

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے، حضرت عمرؓ کو خیال تھا کہ جمعہ و عیدین میں یا سفراء کے ورود کے موقع پر آپ شان و تجمل کے کپڑے زیب تن فرمائیں، اتفاق سے ایک بار راستہ میں ایک ریشمی کپڑا (حلہ سیراء) بک رہا تھا، حضرت عمرؓ نے موقع پاکر عرض کیا، یا رسول اللہ یہ کپڑا حضور خرید لیں، اور جمعہ میں اور سفراء کی آمد کے موقع پر زیب تن فرمائیں، ارشاد فرمایا کہ "یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں"

اکثر موٹے جھوٹے اور پیوند لگے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، اور ان ہی کپڑوں میں وفات پائی، [۱]

بستر کمبل کا تھا، کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کی کھال بھری ہوتی تھی، کبھی معمولی کپڑا کا دوہرا کر کے دیا جاتا تھا، حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شب کو میں نے بستر مبارک چار تہ کر کے بچھایا کہ ذرا نرم ہو جائے، صبح اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری ظاہر فرمائی، [۲]

۹ھ میں جب کہ یمن سے شام تک صرف اسلامی حکومت تھی، فرمانروائے اسلام کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ [۳] تھا، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، صحابہ سے فرمایا۔

---

[۱] اوپر کی تمام روایتیں صحیح بخاری کتاب اللباس سے ماخوذ ہیں [۲] شمائل ترمذی [۳] صحیح بخاری کتاب اللباس
[۵] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۱۰۸

کرتے تھے کہ "دنیا میں انسان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادِ راہ کے لیے"۔[1] ایک دفعہ ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے، اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں، ارشاد ہوا کہ مجھکو دنیا سے کیا غرض؟ مجھکو دنیا سے اسقدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے، پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے"۔[2]

ایلاء کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھری تھی، حاضر ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ سرورِ عالمؐ کے بیتِ قدس میں دنیاوی ساز و سامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسمِ مبارک پر صرف ایک تہبند ہے، ایک کھری چارپائی بچھی ہے، سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے، کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، عرض کی یا رسول اللہ میں کیوں نہ روؤں، چارپائی کے بان سے جسمِ اقدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں، یہ آپ کے اسباب کی کوٹھری ہے، اس میں جو سامان ہے وہ نظر آ رہا ہے، قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں، اور آپ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو، ارشاد ہوا، "اے ابن خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت"۔[3]

مساوات | آپؐ کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے، سلمانؓ و صہیبؓ و

---

[1] ابن ماجہ کتاب الزہد [2] جامع ترمذی کتاب الزہد [3] صحیح مسلم کتاب الطلاق باب تخییر الازواج

بلالؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے، آپ کی بارگاہ میں روسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھی، ایک دفعہ حضرت سلمانؓ و بلالؓ ایک موقع پر جمع تھے، اتفاق سے ابوسفیان نکلے، ان لوگوں نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمنِ خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں سے کہا سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا، ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا، حضرت ابوبکرؓ نے فوراً جا کر ان بزرگوں سے کہا بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے، ان لوگوں نے کہا نہیں، خدا تم کو معاف کرے۔[1]

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی، اسامہ بن زیدؓ جن سے آنحضرت صلعم نہایت محبت رکھتے تھے، لوگوں نے ان کو شفیع بنا کر خدمتِ نبویؐ میں بھیجا، آپ نے فرمایا "اسامہ! کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو" پھر آپ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا "تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے برباد ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے"۔[2]

غزوۂ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے، قیدیوں کو زرِ فدیہ لیکر رہا کیا جاتا تھا، بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ وہ آپ سے قرابتِ قریبہ رکھتے تھے، عرض کی کہ یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ ہم اپنے بھانجے (عباس) کا زرِ فدیہ معاف کر دیں، آپ نے فرمایا نہیں، ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔[3]

---

[1] صحیح مسلم فضائل سلمانؓ و صہیبؓ [2] بخاری و مسلم و ابو داؤد کتاب الحدود [3] صحیح بخاری باب فداء المشرکین

مجلس میں جو چیزیں آتیں ہمیشہ داہنی طرف سے اس کی تقسیم شروع فرماتے اور ہمیشہ اس میں امیر و غریب، صغیر و کبیر سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا،

ایک دفعہ خدمتِ اقدس میں صحابہ کا مجمع تھا، اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے، جو بہت کمسن تھے، بائیں جانب بڑے بڑے معمر صحابہ تھے، کہیں سے دودھ آیا، آپؐ نے نوش فرما کر عبداللہ بن عباسؓ سے کہا تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں انھوں نے عرض کی، اس عطیہ میں میں ایثار نہیں کر سکتا، چونکہ وہ داہنی جانب تھے اور ترتیب مجلس کی رو سے ان ہی کا حق تھا، آپؐ نے ان ہی کو ترجیح دی[۱]،

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کا پانی مانگا ہم نے بکری کا دودھ پیش کیا، مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابو بکرؓ بائیں جانب، حضرت عمرؓ سامنے اور ایک بدو داہنی جانب تھا، آپؐ نے پی لیا، تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف اشارہ کیا، یعنی بقیہ ان کو عنایت ہو، آپؐ نے فرمایا پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے، یہ کہکر بچا ہوا دودھ بدو کو عنایت فرمایا[۲]،

قریش اپنے فخر و امتیاز کے لیے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا، بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد بھی ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مقام کرتے تھے، علاوہ برین یہ بھی گوارا نہ تھا کہ منیٰ میں خاص طور سے کوئی عمارت یا جگہ آپ کے لیے مخصوص کر دی جائے اور وہاں سایہ کے لیے کوئی چھپر ڈال دیا جائے، صحابہ نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا تو

[۱] صحیح بخاری ص ۰۰۰ [۲] بخاری ص ۰ ۰ ۰ [۳] ابو داؤد کتاب المناسک [۴] ایضاً

پہنچ جائے، اسی کا مقام ہے۔[۱]

صحابہ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ شریک ہو جاتے، اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے، مدینہ میں آکر سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی، اس مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہ کی طرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ نفس نفیس شریک تھے، خود اپنے دستِ مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، صحابہ عرض کرتے تھے کہ ہماری جانیں قربان آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، لیکن آپ اپنے فرض سے باز نہ آتے۔[۲] غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے، آپ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کر رہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی۔[۳]

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا، تمام صحابہ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا، لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا، جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لیا، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کام ہم خدام کر لیں گے، فرمایا ہاں سچ ہے، لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں، خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا، جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔[۴]

غزوۂ بدر میں سواریوں کا سامان بہت کم تھا، تین تین آدمیوں کے بیچ میں ایک ایک اونٹ تھا، لوگ باری باری چڑھتے اترتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک تھے، ہمراہ جان نثارانہ اپنی باری پیش کرتے، اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ آپ سوار رہیں، حضور کے بدلہ میں ہم پیادہ چلیں گے، ارشاد ہوتا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے

۱؎ مسند ابن حنبل ج۵ ص ۱۰۰، ۲؎ صحیح بخاری باب الہجرۃ و بناء المسجد، ۳؎ صحیح بخاری باب غزوۂ احزاب، ۴؎ زرقانی ج۴ ص ۳۰۷ بحوالہ سیرت محب طبری، یہ روایت کسی اور کتاب میں نہیں آئی۔

اور نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔[1]

تواضع گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے (گدھے کی سواری سے آپ کو عار نہ تھا، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا[2]) ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے، لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے، فرمایا کہ "اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اٹھو"[3] غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لیجاتے مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ کو پہچان نہ سکتا، کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔[4]

ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا، لیکن نبوت کا رعب اسقدر طاری ہوا کہ کانپنے لگا، آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، میں بادشاہ نہیں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔[5]

تواضع اور خاکساری کی راہ سے آپ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے "میں بندہ اور بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں"[6] ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی، اور لوگ زیادہ آگئے، آپ اکڑوں بیٹھ گئے کہ جگہ نکل آئے" ایک بدو بھی مجلس میں شریک تھا، اس نے کہا محمدؐ! یہ کیا طرز نشست ہے، آپ نے فرمایا خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے۔ جبار اور سرکش نہیں بنایا ہے۔[7]

تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۴۲۲ و مسند ابوداؤد طیالسی [2] شمائل ترمذی [3] ابوداؤد [4] ابن ماجہ [5] شمائل ترمذی [6] مستدرک ج ۳ ص ۴۷ [7] شرح الشیخین واقعہ فتح مکہ [8] ابوداؤد کتاب الاطعمہ

ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ کو خطاب کیا "اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند" آپ نے فرمایا لوگو پرہیزگاری اختیار کرو شیطان تمہیں گمراہ نہ کر دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول، مجکو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ[1]"

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو یاخیر البریہ (یعنی اے بہترین خلق) کہکر مخاطب کیا، آپ نے فرمایا وہ ابراہیم تھے[2]،

عبداللہ بن شخیر کا بیان ہے کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ جب ہم لوگ خدمتِ اقدس میں پہنچے تو عرض کی کہ حضور ہمارے آقا (سید) ہیں، ارشاد فرمایا کہ آقا خدا ہے، پھر ہم لوگوں نے عرض کی کہ آپ ہم سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں، ارشاد ہوا کہ "بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہیں چلا رہا ہے"

مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی، جس کے دماغ میں کچھ فتور تھا، آپ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ محمد! مجکو تم سے کچھ کام ہے، فرمایا جہاں کہو چل سکتا ہوں، وہ آپ کو ایک کوچہ میں لے گئی اور وہیں بیٹھ گئی، آپ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے، اور جو کام تھا، انجام دیدیا[3]،

مخرمہؓ ایک صحابی تھے، ایک دفعہ انھوں نے اپنے بیٹے مسور سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے چادریں آئی ہیں، اور وہ تقسیم فرما رہے ہیں آؤ ہم بھی چلیں آئے تو آپ خانہ میں تشریف لیجا چکے تھے کہا آواز دو، انھوں نے کہا میرا یہ رتبہ ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دوں مخرمہ نے کہا بیٹے! محمد جبار نہیں ہیں، انکی جرأت دلانے سے مسور نے آواز دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۱۵۳، [2] صحیح بخاری باب فضائل ابراہیم، [3] ابوداؤد کتاب الادب باب کراہیۃ التمادح و ابوداؤد

فوراً نکل آئے اور ان کو دیا کی قبا عنایت کی جس کی گھنڈیاں زریں تھیں[1]

ایک دفعہ ایک انصاری نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت دی، یہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تعریض ہے، غصہ میں آکر اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریادی آیا، آپ نے انصاری کو بلا بھیجا، اور واقعہ کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ مجھکو انبیاء پر فضیلت نہ دو[2]

انسان کے غرور و ترفع کا اصلی موقع وہ ہوتا ہے، جب وہ اپنے چپ و راست جلو میں ہزاروں آدمیوں کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے، جو اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، خصوصاً جب وہ فاتحانہ ایک جرار و پر جوش لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع و خاکساری کا منظر اسوقت اور نمایاں ہو جاتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو تواضع سے سر مبارک کو اس قدر جھکا دیا کہ کجاوہ سے آکر مل گیا[3] وہ خیبر میں جب آپ کا داخلہ ہوا تو آپ ایک گدھے پر سوار تھے، جس میں لگام کی جگہ کھجور کی چھال بندھی تھی[4] حجۃ الوداع میں جس کجاوہ پر آپ سوار تھے، سن چکے ہو کہ اس کی قیمت کیا تھی،

تعظیم اور مدح مفرط سے روکتے تھے،

شرک کا پہلا دیباچہ انبیاء، اور صلحا کی مبالغہ آمیز تعظیم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نکتہ کا بڑا لحاظ فرماتے تھے، حضرت عیسیٰ کی مثال پیش نظر تھی، فرمایا کرتے تھے، کہ میری اسقدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جسقدر نصاریٰ ابن مریم کی کرتے ہیں، میں تو خدا کا بندہ اور اسکا فرستادہ ہوں[5]

---

[1] بخاری ص ۱۰۰ [2] بخاری کتاب الانبیاء ذکر موسیٰ [3] شرح شفا قاضی عیاض و سیرت ابن ہشام، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۱۰ [4] مشکوٰۃ اخلاق النبی بحوالہ حاکم ابن ماجہ و بیہقی [5] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰ کتاب الانبیاء،

قیس بن سعد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حیرہ گیا، وہاں لوگوں کو دیکھا کہ رئیس شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم میری قبر پر گزرو گے تو سجدہ کروگے؟ کہا نہیں، فرمایا تو جیتے جی بھی سجدہ نہیں کرنا چاہیئے۔[1]

معوذ بن عفراء کی صاحبزادی (ربیع) کی جب شادی ہوئی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور دلہن کے لیے جو فرش بچھایا گیا تھا اس پر بیٹھ گئے، گھر کی لڑکیاں اس پاس جمع ہو گئیں، اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگیں، گاتے گاتے ایک نے یہ مصرع گایا۔

فینا نبی یعلم ما فی غد — ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے

فرمایا "یہ چھوڑ دو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں"[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ نے جس روز انتقال کیا، اتفاق سے اس روز سورج گرہن لگا، لوگوں کے خیال میں ایک پیغمبر کی ظاہری عظمت کا فرضی تخیل یہ تھا کہ اس درد و صدمہ سے کم از کم اجرام سماوی میں انقلاب پیدا ہو جائے، لوگوں نے اس اتفاقی واقعہ کو اسی واقعہ پر محمول کیا، ایک جاہ پسند انسان کے لیے اس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہو سکتا تھا، لیکن نبوت کی شان اس سے بدرجہا ارفع و اعلیٰ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت لوگوں کو مسجد میں جمع کیا، اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج میں گرہن لگنا خدا کی آیاتِ قدرت میں ہے، کسی کی زندگی اور موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔[3]

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے، وضو کا پانی جو دستِ مبارک سے گرتا، فدائی

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ [2] صحیح مسلم باب الضرب بالدف فی النکاح [3] صحیح بخاری کتاب [illegible] باب [illegible]

برکت کے خیال سے اس کو چلوؤں میں لیکر بدن میں مل لیتے، آپ نے پوچھا کہ تم یہ کیوں کر رہے ہو، انھوں نے عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت میں، فرمایا اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ جب باتیں کرے سچ بولے جب امین بنایا جائے ادائے امانت کرے، اور کسی کا پڑوسی ہو تو ہمسائگی کو اچھی طرح بناہے[1]

ایک صاحب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، اثنائے گفتگو میں انھوں نے کہا "جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں" ارشاد ہوا "تم نے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا کہو کہ جو خدا تنہا چاہے"[2]

شرم وحیا (صحاح میں ہے کہ آپ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، اور شرم وحیا کا اثر آپ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں کی بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گذر جاتے، تبسم کے سوا کبھی لب مبارک خندہ وقہقہ سے آشنا نہیں ہوئے)

بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہ متنبہ ہو جاتے۔

عرب میں اور ممالک کی طرح شرم وحیا کا بہت کم لحاظ تھا ننگے نہانا عام بات تھی حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالطبع یہ باتیں سخت ناپسند تھیں ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو، لوگوں نے عرض کی کہ حمام میں نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری میں فائدہ ہوتا ہے، ارشاد فرمایا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو، عرب میں حمام نہ تھے، لیکن شام و عراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے، وہاں کثرت سے حمام تھے، اس بنا پر آپ نے فرمایا کہ تم جب عجم

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی [2] ادب المفرد امام بخاری ص ۱۵۷ مصر،

فتح کروگے تو وہاں حمام ملیں گے، ان میں جانا تو چادر کے ساتھ جانا،

ایک دفعہ کچھ عورتیں حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئیں، انھوں نے وطن پوچھا، بولیں حمص (شام کا ایک شہر ہے) حضرت ام سلمہؓ نے کہا تم ہی وہ عورتیں ہو؟ جو حمام میں نہاتی ہیں، بولیں کیا حمام کوئی بری چیز ہے، فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر میں کپڑے اتارتی ہے خدا اس کی پردہ دری کرتا ہے[1] ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حمام میں نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا، پھر مردوں کو پردوں کی قید کیساتھ اجازت دی لیکن عورتوں کے لیے وہی حکم قائم رہا، عرب میں جائے ضرور نہ تھے[2] لوگ میدانوں میں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے، لیکن پردہ نہیں کرتے تھے، بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ خدا اس سے ناراض ہوتا ہے آپ کا معمول تھا کہ رفع حاجت کے لیے اسقدر دور نکل جاتے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے مکہ معظمہ میں جبتک قیام تھا، حدود حرم سے باہر چلے جاتے جسکا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا،

اپنے ہاتھ سے کام کرنا (اگرچہ تمام صحابہ آپکے جاں نثار خادمیوں میں داخل تھے، تاہم آپ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے، حضرت عائشہؓ ابو سعید خدریؓ اور امام حسنؓ سے روایت ہے کہ کان یخدم نفسہ یعنی آپ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے) ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ گھر میں کیا کیا کرتے تھے، جواب دیا کہ گھر کے کام کاج میں مصروف

---

[1] یہ تمام روایتیں ترغیب و ترہیب میں کتب حدیث کے حوالہ سے منقول ہیں [2] صحیح بخاری کی حدیث افک

[3] ابوداؤد وابن ماجہ [4] شرح شفائے قاضی عیاض ج ۲ ص ۱۱۶

رہتے تھے، کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگا لیتے تھے، گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے، دودھ دوہ لیتے تھے، بازار سے سودا خرید لاتے تھے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے، ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے، اس کو چارہ دیتے، غلام کیساتھ ملکر آٹا گوندھتے[1]

ایک دفعہ حضرت انس بن مالکؓ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا، آپ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے ہیں، ان سے دوسری روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ آپ صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے ہیں، تیسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ آپ بکریوں کو داغ لگا رہے تھے[2]، ایک دفعہ مسجد نبویؐ میں تشریف لے گئے، دیکھا تو مسجد میں کسی نے ناک صاف کی ہے، آپنے خود دستِ مبارک سے ایک کنکر لیکر اس کو کھرچ ڈالا، اور آیندہ لوگوں کو اس فعل سے منع فرمایا[3]

آپ جب بچے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، تو اسوقت بھی پتھر اٹھا اٹھا کر معماروں کے پاس لاتے تھے[4]، مسجد قبا اور مسجد نبویؐ کی تعمیر اور خندق کے کھودنے میں جس طرح عام مزدوروں کیساتھ مل کر آپنے کام کیا، خود دستِ مبارک سے جس طرح پتھر اٹھا اٹھا کر دیا اور جس طرح زمین کھودی اسکی تفصیل جلد اول کے واقعات میں گذر چکی ہے، ایک سفر میں صحابہ نے بکری ذبح کی اور اسکو پکانے کیلیے آپس میں کام بانٹ لیے، آپنے فرمایا "جنگل سے لکڑی میں لاؤں گا" صحابہ نے تامل کیا تو فرمایا میں

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب اور باب مایکون الرجل فی مہنۃ اہلہ میں مجمل ہے، قاضی عیاض نے شفا میں متعدد حدیثوں سے لیکر اونکڑوں کو بھی جمع کر دیے ہیں، زرقانی نے ج ۴ ص ۲۰۲ میں مسند احمد و ابن سعد سے یہ روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان نے اسکو صحیح کہا ہے[2] یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم میں ہیں پہلی کتاب الادب میں اور دوسری اور تیسری باب جواز وسم الحیوان میں ہے[3] سنن نسائی کتاب المساجد[4] صحیح بخاری باب الجاہلیۃ،

امتیاز پسند نہیں کرتا۔"[۱] ایک دفعہ سفر میں آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، آپ نے خود اس کو درست کرنا چاہا ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ لائیے میں ٹانک دوں، فرمایا "یہ تشخص پسندی ہے، جو مجھے محبوب نہیں ہے"۔[۲] دو صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود اپنے دستِ مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہیں، ہم لوگ بھی اس کام میں شریک ہو گئے، جب کام ختم ہو گیا تو آپ نے ہمارے لیے دعائے خیر فرمائی۔[۳]

دوسروں کے کام کر دینا | حضرت خباب بن ارتؓ ایک صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو کسی غزوہ پر بھیجا، جناب کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا، اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا، اس بنا پر آپ ہر روز انکے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے۔ حبش سے جو مہمان آئے تھے صحابہ نے چاہا کہ وہ انکی خدمت گذاری کریں، لیکن آپ نے انکو روک دیا اور فرمایا کہ "انھوں نے میرے دوستوں کی خدمت کی ہے اس لیے میں خود انکی خدمتگذاری کا فرض انجام دونگا"۔[۴] کفارِ ثقیف جنھوں نے طائف میں آپ کے پائے مبارک کو زخمی کر دیا تھا جب وفد لیکر آئے تو آپ نے انکو مسجد نبویؐ میں اتارا اور بنفسِ نفیس ان کی مہمانی کے فرائض ادا کیے۔

مدینہ کی لونڈیاں آپ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں "یا رسول اللہ میرا یہ کام ہے"، آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے، مدینہ میں ایک پاگل لونڈی تھی، وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپ کا دستِ مبارک پکڑ لیا، آپ نے فرمایا "اے عورت! مدینہ کی جس گلی میں تو چاہے بیٹھ میں تیرا کام کر دونگا"، چنانچہ آپ اسکے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں جا کر بیٹھے اور اسکی ضرورت پوری کی۔[۵] عبداللہ بن ابی اوفیٰ ایک صحابی ہیں،

---

[۱] زرقانی ج ۴ ص ۳۰۶ بحوالہ سیرت محب طبری۔ [۲] ایضاً بحوالہ کتاب امتثال النعل الشریف لابی الیمن ابن عساکر۔ [۳] مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۴۹۴۔ [۴] ابن سعد حصہ ششم ص ۲۳ ترجمہ بنت خباب۔ [۵] شفای قاضی عیاض بسند متصل بحوالہ بیہقی۔ [۶] مسلم اور ابوداؤد اخلاق رسول آداب۔

فرماتے ہیں،

ولا یانف ان یمشی مع الارملۃ والمسکین	بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے
فیقضی لہ الحاجۃ (نسائی ودارمی)	میں آپ کو عار نہ تھا۔

ایک دفعہ آپ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر بولا "میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے، ایسا نہ ہو کہیں بھول جاؤں، پہلے اس کو کر دو" آپ اس کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دیکر نماز ادا کی۔[1]

عزم واستقلال خدا نے قرآن مجید میں اولوا العزم من الرسل لکہکر انبیاے کبار کی مدح فرمائی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم الرسل تھے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپکی ذات میں ودیعت کیا تھا، ابتدا سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم واستقلال کا مظہر اتم ہی، عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہی بے یار و مددگار دعوت حق کی صدا میں بلند کرتا ہی، ریگستان کا ذرہ ذرہ اسکی مخالفت میں پہاڑ بنکر سامنے آتا ہی لیکن وقار نبوت اور عزم ربانی سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہی، اور مخالفتوں کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہو جاتی ہی۔

تیرہ برس کی متواتر ناکامیوں کے بعد بھی ذات اقدس جبین ویاس سے آشنا نہیں ہوتی اور بالآخر وہ دن آتا ہے، جب ایک تنہا انسان ایک لاکھ جان نثاروں کو چھوڑ کر دنیائے فانی کو الوداع کہتا ہی ہجرت سے قبل ایکدفعہ صحابہ نے کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر خدمت مبارک میں عرض کی کہ آپ ہمارے لیے کیوں دعا نہیں فرماتے" آپکا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں

[1] ابو داؤد کتاب الادب وبخاری کتاب الصلوٰۃ مختصراً۔

ان کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جس سے گوشت پوست علیٰحدہ ہو جاتا تھا، لیکن یہ آزمائشیں بھی ان کو مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھیں، خدا کی قسم دین اسلام اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچکر رہے گا، یہاں تک کہ صنعا سے حضر موت تک ایک سوار اس طرح بیخطر چلا آئے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔"[۵]

مکہ میں رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انھوں نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی، ان میں سے ہر چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم کو ڈگمگا دینے کے لیے کافی تھی لیکن آپ نے ذلت کے ساتھ ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور و فکر کا آخری لمحہ اور عزم و استقلال کا آخری امتحان تھا، اس وقت آپ نے جواب میں جو فقرے فرمائے، عالم کائنات میں ثبات و پامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقۂ تعبیر ہے، آپ نے فرمایا "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھدیں تب بھی اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا۔" (ابن ہشام)

غزوۂ بدر میں جب تین سو بے سر و سامان مسلم اور ایک ہزار ساز و سامان فوج سے معرکہ آرا تھے، کفار قریش اپنے زور و کثرت سے بڑھتے آتے تھے، اس وقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آجاتے تھے، اور باایں ہمہ نبوت کا کوہ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا۔[۶]

غزوۂ احد میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، تو سب نے حملہ کی رائے دی، لیکن جب آپ زرہ پہنکر تیار ہو گئے تو صحابہ نے رک جانے کا مشورہ دیا، آپ نے فرمایا "پیغمبر زرہ پہنکر اتار نہیں سکتا۔"[۷]

---

[۵] صحیح بخاری ج۱ باب ما لقی النبی۔ [۶] مسند ابن حنبل ج۱ ص ۸۶۔ [۷] بخاری ج۲ ص ۱۰۹۶ باب قول اللہ و امرہم شوری بینہم

غزوۂ حنین میں جب قبیلہ ہوازن کے قدر اندازوں نے متصل تیروں کی بوچھار کی تو اکثر صحابہ کے قدم اکھڑ گئے، لیکن آپ نہایت سکون و اطمینان سے چند جاں نثاروں کے ساتھ میدان میں جمے رہے، اس وقت زبانِ مبارک پر یہ رجز جاری تھا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب[1] میں پیغمبر صادق ہوں، میں فرزند عبد المطلب ہوں

ایک بار آپ کسی غزوہ میں درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے، ایک کافر آیا اور اسی حالت خواب میں تلوار کھینچکر بولا "محمد اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے" آپ نے فرمایا "خدا" اس عزم و استقلال اور جرأت صادقہ نے اسکو اسقدر مرعوب کر دیا کہ فوراً اس نے تلوار میان میں کرلی اور پاس بیٹھ گیا[2]

شجاعت | یہ وصف انسانیت کا اعلیٰ جوہر اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے، عزم استقلال، حق گوئی، راست گفتاری، پُردلی، یہ تمام باتیں شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سیکڑوں مصائب و خطرات اور بیسیوں معرکے اور غزوات پیش آئے لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی، غزوۂ بدر کی گھمسان لڑائی میں ۳۰۰ نہتے مسلمانوں کے قدم جب اکثر اسلم فوج کے حملوں سے ڈگمگا جاتے تھے تو دوڑ کر مرکزِ نبوت ہی کے دامن میں آکر پناہ لیتے تھے، حضرت علیؓ جن کے دست و بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کیے کہتے ہیں کہ جب بدر میں زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ہی کی آڑ میں آکر پناہ لی آپ سب سے زیادہ شجاع تھے، مشرکین کی صف سے اس دن آپ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا[3]

غزوۂ حنین میں ہوازن کے بے پناہ تیروں کی بارش ہوئی، تو مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج دفعۃً میدان کو ہٹ گئی، لیکن آپ مع چند جاں نثاروں کے بدستور میدان میں کھڑے رہے، اس وقت بار بار

---

[1] صحیح بخاری حنین [2] بخاری ج ۲ ص ۵۹۳ غزوۂ ذات الرقاع [3] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۲۶

آپ اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرما رہے تھے، لیکن جان نثار مانع آتے تھے اب دشمنوں کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپ کی ذات تھی، بااینہمہ پائے اقدس میں لغزش نہیں ہوئی حضرت براء جو اس معرکہ میں شریک تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا حنین میں تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ جواب دیا ہاں یہ سچ ہے، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے خدا کی قسم جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ ہی کے پہلو میں آکر پناہ لیتے تھے ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا، جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا[۱]

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ شجاع تھے ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آگئے، لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے، لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلا وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جلدی میں آپ نے اس کا بھی انتظار نہیں کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپ تمام خطروں کے مقامات میں گشت لگا آئے اور واپس آکر لوگوں کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے دست خاص سے قتل نہیں کیا، ابی بن خلف آپ کا سخت دشمن تھا، بدر میں فدیہ دیکر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسکو میں ہر روز جوار کھلایا کرتا ہوں، اسی پر چڑھ کر محمد کو قتل کروں گا" احد میں اسی گھوڑے کو اڑاتا اور صفوں کو چیرتا ہوا آپ کے پاس پہنچ گیا، مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو بیچ میں روک لیں، آپ نے منع فرمایا اور ایک سپاہی

---

[۱] صحیح مسلم غزوہ حنین [۲] صحیح بخاری کے متفرق ابواب میں یہ حدیث ہے، مثلاً باب الشجاعۃ فی الحرب و باب اذا فزعوا باللیل

کے ہاتھ سے نیزہ لیکر آپ اس کی طرف بڑھے اور آہستہ سے اس کی گردن میں انی چبھو دی وہ چنگھاڑ مار کر بھاگا، لوگوں نے کہا یہ تو کوئی بڑا زخم نہیں، تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟ اس نے کہا ہاں سچ ہے لیکن یہ محمدؐ کے ہاتھ کا زخم ہے[1]

راست گفتاری (راست گفتاری پیغمبر کی ایک ضروری صفت ہے، اور اس کا وجود ان کی ذات سے کبھی منفک نہیں ہو سکتا، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے عنوان میں اس کے جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی، لیکن اس موقع پر ہم صرف اُن شہادتوں کو قلمبند کرنا چاہتے ہیں جو دشمنوں کے اعتراف سے ہاتھ آتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو کفار میں جو لوگ آپ سے واقف تھے انھوں نے آپ کو کاذب اور دروغ گو یقین نہیں کیا، بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپکے حواس درست نہیں ہیں یا آپ عقل بجا نہیں رہی ہے، یا یہ کہ ان میں اب شاعرانہ تخیل پرستی آگئی ہے، اسی بنا پر انھوں نے آپ کو مجنون کہا، مسحور کہا، شاعر کہا، لیکن کاذب نہیں کہا،

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رؤسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے، اور آپ کا ذکر ہو رہا تھا نضر ابن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا کہا اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے ابتک تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، محمد تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، صادق القول اور امین تھا، اب جب اس کے بالوں میں سپیدی آچلی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم میں نے انکی باتیں سنی ہیں

[1] شرح شفا قاضی عیاض ج ۲ ص ۴۰ بحوالہ بیہقی بسند صحیح و مصنف عبدالرزاق و ابن سعد و واقدی۔

محمد میں یہ کوئی بات نہیں، تم پر یہ کوئی مصیبت ہی نئی آئی ہے[۱]

ابوجہل کہا کرتا تھا: "محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ جو کچھ کہتے ہو، اُن کو صحیح نہیں سمجھتا۔" قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے[۲]

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ	ہم جانتے ہیں کہ اے پیغمبر ان کافروں کی باتیں تم کو
فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ	غمگین کرتی ہیں، کیونکہ وہ تجھکو جھٹلاتے نہیں، البتہ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (انعام-۴)	ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں،

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش گاہِ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے اہلِ خاندان کو اسلام کی دعوت دو، تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! جب سب لوگ جمع ہوگئے تو فرمایا اگر تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے، تو تم کو یقین آئے گا؟" سب نے کہا ہاں، کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔"[۳]

قیصر روم نے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں جو مدعی پیدا ہوا ہے اس کی دعویٰ سے پہلے کبھی تم نے اس کو دروغ گو بھی پایا، ابوسفیان نے کہا نہیں آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں کہا میں نے تم سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک وہ کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوا تو تم نے جواب دیا کہ نہیں مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتا تو وہ آدمیوں پر افترا باندھنے سے کب باز رہتا[۴]

ایفاءِ عہد | ایفاءِ عہد آپ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اسکا اعتراف کرتے تھے چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آپکے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کیے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی

---

[۱] ابن ہشام [۲] جامع ترمذی تفسیر انعام [۳] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تبت [۴] صحیح بخاری باب بدء الوحی،

اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریادی ہوئے تمام مسلمان اس درد انگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باطمینان تمام ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، اے ابوجندل! صبر کرو ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا[1]

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمسار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ معاملہ کیا اور آپ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آ کر حساب کر دیتا ہوں۔ اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا، تین دن کے بعد آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ تشریف رکھتے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں[2]

غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہیے تھی کہ جسقدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے لیکن آپ اسوقت بھی ہمہ تن وفا تھے۔ حذیفہ بن الیمان اور ابو حسیل رضی اللہ عنہ دو صحابی مکہ سے آ رہے تھے راہ میں کفار نے انکو روکا کہ محمد کے پاس جا رہے ہو۔ انھوں نے انکار کیا، آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے، یہ دونوں صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی فرمایا، تم دونوں واپس جاؤ ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے[3]

زہد و قناعت | مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے پیغمبر تھے مدینہ پہنچکر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیر نگین ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے، صحیح بخاری باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط آخری حصہ، ابن ہشام ذکر حدیبیہ [2] ابو داؤد کتاب الادب [3] صحیح مسلم باب الوفا بالعہد

تین صاع جو پر گرو تھی، جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدود شام سے لیکر عدن تک فتح ہو چکا ہے، اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آچکا ہے۔

اس میں شبہہ نہیں کہ آپ کی مہمات فرائض میں رہبانیت کا قلع قمع کرنا بھی تھا جسکی نسبت خدا نے نصاریٰ کو ملامت کی تھی کہ رہبانیۃ ابتدعوھا اس بنا پر آپ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال کیے ہیں، لیکن اصلی میلانِ طبع زخارفِ دنیوی سے اجتناب تھا، فرمایا کرتے، فرزند آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کے لیے گھر، ستر پوشی کے لیے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور پانی[1] حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ولا یطوی لہ ثوب[2] کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہ کرکے نہیں رکھا گیا، یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہ کرکے رکھا جا سکتا۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ کسی طرف سے آگئے، پوچھا کیا شغل ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کی دیوار کی مرمت کر رہا ہوں، ارشاد ہوا کہ اتنی مہلت کہاں؟

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا،

کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتتابعۃ	آپ اور آپکے اہل و عیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہجاتے
طاویا ھو واھلہ لا یجدون عشاءً[3]	تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا،

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر جبکہ یہ واقعہ

---

[1] جامع ترمذی ابواب الزہد [2] ابن ماجہ کتاب اللباس [3] جامع ترمذی معیشۃ النبیؐ

بیان کیا تو عروہ بن زبیرؓ نے پوچھا کہ آخر گذر اوقات کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور، البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیجدیتے تھے تو پی لیتے تھے[1]، آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی[2]، میدہ جسکو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں، کبھی نظر سے نہیں گذرا، سہل بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھلنیاں نہ تھیں؟ بولے نہیں، لوگوں نے پھر پوچھا کہ آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے، بولے منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے جو بچ جاتا اسی کو گوندہ کر پکا لیتے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی[3]۔

فدک اور خیبر وغیرہ کے ذکر میں محدثین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آپ ان کی آمدنی سے سال کا خرچ لے لیا کرتے تھے، یہ واقعہ بظاہر روایات مذکورۂ بالا کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت دونوں صحیح ہیں، بے شبہ آپ بقدر نفقہ آمدنی ہی سے لے لیتے، باقی فقراء اور اہل حاجت کو دیدیتے تھے، لیکن آپ اپنے لیے جو رکھ لیتے تھے، وہ بھی اہل حاجت کے نذر ہو جاتا تھا، احادیث میں آپ کی فاقہ کشی اور تنگدستی کے واقعات نہایت کثرت سے موجود ہیں، چند روایتیں اس موقع پر ہم درج کرتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیجدو، جواب آیا گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب آیا مختصر یہ کہ نو گھروں میں کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی[4]۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق [2] ایضاً [3] شمائل ترمذی [4] ایضاً [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۰ مطبوعہ مصر و صحیح بخاری ص

سے کسکر باندھا ہے، سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے،[1]

حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں،[2]

ایک دفعہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھولکر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے، آپ نے شکم کھولا تو ایک کے بجائے دو دو پتھر تھے،[3]

اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صحابہ آپ کی حالت سمجھ جاتے تھے، ایک دن ابو طلحہؓ گھر میں آئے اور بیوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے، میں نے ابھی رسول اللہؐ کو دیکھا انکی آواز کمزور ہو گئی ہے،[4]

ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے، راہ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے، یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بیتاب تھے، آپ سب کو لیکر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر آئے، ان کا معمول تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دودھ مہیا رکھتے تھے، آج آپ کے آنے میں دیر ہوئی تو دودھ بچوں کو کھلا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان میں چلے گئے تھے، ان کی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئیں اور عرض کی حضور کا آنا مبارک، آپ نے پوچھا ابو ایوب کہاں ہیں، نخلستان پاس ہی تھا، آواز سنکر دوڑے آئے، اور مرحبا کہکر عرض کی یہ حضور کے آنے کا وقت نہیں، آپ نے حالت بیان کی، وہ نخلستان میں جاکر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے، اور کہا میں گوشت طیار کرتا ہوں، ایک بکری ذبح کی، آدھے کا سالن، آدھے کے کباب تیار کرائے، کھانا سامنے لاکر رکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھکر فرمایا کہ فاطمہؓ کو بھجوا دو، کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے، پھر خود صحابہ کے ساتھ مل کر

---

[1] صحیح مسلم ص ۱۹۳ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۱۰

کھانا نوش فرمایا، متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور فرمایا کہ خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم سے سوال ہوگا وہ یہی چیزیں ہیں۔[1]

اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کرتیں نہیں، آپ فرماتے کہ اچھا میں نے روزہ رکھ لیا۔[2]

عفو و حلم

ارباب سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، بجز اس صورت کے کہ اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو۔[3]

(جنگ احد کی شکست سے زیادہ رؤسائے طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی)[4] تاہم دس برس کے بعد غزوہ طائف میں جب ایک منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برسا رہے تھے تو دوسری طرف ایک سراپائے حلم و عفو انسان (خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انھیں سمجھ عطا کر اور ان کو آستانۂ اسلام پر جھکا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ۹ھ میں جب ان کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپ نے صحن مسجد میں ان کو مہمان اتارا اور عزت اور حرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے۔[5]

قریش نے آپ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاست ڈالی، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپ کی شان میں گستاخیاں کیں، نعوذ باللہ کبھی جادوگر کبھی پاگل

---

[1] ترغیب و ترہیب ج ۲ ص ۵، (یہ واقعہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۰ میں بھی جزئی اختلافات کے ساتھ موجود ہے)

[2] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۵۴ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۴ کتاب الادب [4] صحیح بخاری کتاب بدء الخلق [5] ابو داؤد ذکر طائف و مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۲۱۸

کبھی شاعر کہا، لیکن آپ نے کبھی ان باتوں پر بھی ظاہر نہیں فرمائی، مذہب غریب وحی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہو تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے، ایک صاحب جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضور فرما رہے تھے کہ "لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے" پیچھے پیچھے ابوجہل تھا، وہ آپ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا، "لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کر دیں، یہ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات وعزیٰ کو چھوڑ دو۔" راوی کہتا ہے کہ آپ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے (مسند احمد جلد ۴ ص ۶۳)

سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا، جبکہ منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی، حضرت عائشہؓ آپ کی محبوب ترین ازواج اور ابوبکرؓ جیسے یارِ غار اور افضل الصحابہ کی صاحبزادی تھیں، شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا جنھوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا، دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح یہ باتیں انسانی صبر وتحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں، تاہم رحمتِ عالمؐ نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمام تر بانی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا، اور آپ کو اس کا بخوبی علم تھا، باینہمہ آپ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا "مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھکو ستاتا ہے، اس سے میری بداد کون لے سکتا ہے" حضرت سعدؓ بن معاذ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور اٹھکر کہا میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں، آپ نام بتائیں تو اس کا سر اڑا دوں، سعدؓ بن عبادہ نے جو عبداللہ ابن ابی کے حلیف تھے، مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف سے حامی کھڑے ہو گئے قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں، آپ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا، واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کر دی اور تہمت لگانے والوں کو

شرعی سزا دی گئی، تاہم عبداللہ بن ابی اس بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ اس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا اور ثبوت کے لیے شرعی شہادت موجود نہ تھی، تہمت لگانے والوں میں جن کو سزا دی گئی، ایک صاحب مسطح بن اثاثہ تھے ان کی معاش کے کفیل حضرت ابوبکرؓ تھے، تہمت لگانے کے جرم میں حضرت ابوبکرؓ نے ان کا وظیفہ بند کر دیا اس پر آیت اتری

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن	تم میں سے جو لوگ صاحب فضیلت اور ذی مقدرت ہیں ان کو قسم
يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ	نہیں کھانا چاہیے کہ قرابتداروں اور مسکینوں اور مہاجروں سے
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ	سلوک نہ کریں گے، ان کو عفو و درگذر سے کام لینا چاہیے کیا تم
أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (نور)	نہیں چاہتے کہ خدا تم کو بخش دے، خدا غفور رحیم ہے۔

اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کا وظیفہ بدستور جاری کر دیا۔

تہمت لگانے والوں میں (جیسا کہ صحیح ترمذی کتاب تفسیر سورۂ نور میں تصریح ہے) حضرت حسانؓ بھی تھے، حضرت عائشہؓ کو ان سے جو رنج تھا وہ عفو کی حد سے متجاوز تھا، لیکن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کا اثر تھا کہ جب عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کو برا کہنا شروع کیا تو حضرت عائشہؓ نے روک دیا کہ یہ (حسانؓ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار کو جواب دیتے تھے۔[1]

مدینہ کے منافق یہودیوں میں سے لبید بن اعصم نے آپ پر سحر کیا تاہم آپ نے کچھ تعرض نہ فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا میں لوگوں میں شورش نہیں پیدا کرانا چاہتا۔[2]

زید بن سعنہ جس زمانہ میں یہودی تھے، لین دین کا کاروبار کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ قرض لیا، میعاد ادا میں ابھی کچھ دن باقی تھے، تقاضے کو آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] صحیح بخاری قصۂ افک [2] صحیح بخاری ص ۵۰۴،

چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست کہکر کہا "عبد المطلب کے خاندان والو تم ہمیشہ یونہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو"
حضرت عمرؓ غصہ سے بیتاب ہوگئے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا او دشمن خدا تو رسول اللہ کی شان میں
گستاخی کرتا ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا "عمر! تم سے کچھ اور امید تھی اس کو سمجھانا چاہئے تھا
کہ نرمی سے تقاضا کرے، اور مجھ سے یہ کہنا چاہیے تھا کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں" یہ فرما کر حضرت عمرؓ کو
ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کر کے بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دیدو۔[1]

(ایک دفعہ آپکے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا، اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا، پسینہ آتا تو
اور بھی بوجھل ہو جاتا، اتفاق سے ایک یہودی کے یہاں شام سے کپڑے آئے، حضرت عائشہؓ نے عرض کی
کہ ایک جوڑا اس سے قرض منگوا لیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا، اس گستاخ نے
کہا "میں سمجھا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یونہی اڑا لیں اور دام نہ دیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناگوار جملے سنکر
صرف اسقدر فرمایا کہ "وہ خوب جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں"[2]

ایک دفعہ کہیں تشریف لیجارہے تھے، ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، آپ رک گئے اور
اس سے مخاطب ہو کر فرمایا "صبر کر" وہ آپ کو پہچانتی نہ تھی، گستاخی کے ساتھ بولی "ہٹو تم کیا جان سکتے ہو
کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے" آپ چلے آئے، لوگوں نے عورت سے کہا تو نے نہیں پہچانا، وہ رسول اللہ تھے، دوڑی ہوئی آئی
اور کہا میں حضورؐ کو پہچانتی نہ تھی، ارشاد فرمایا، صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے۔[3]

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے، آپ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے، راہ میں ایک

---

[1] یہ روایت بیہقی، ابن حبان، طبرانی اور ابو نعیم نے روایت کی ہے اور سیوطی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے (شرح شفا از شہاب خفاجی) [2] جامع ترمذی کتاب البیوع [3] بخاری کتاب الجنائز۔

جلسہ تھا، آپ ٹھہر گئے، عبداللہ بن اُبی جو رئیس المنافقین تھا، وہ بھی جلسہ میں موجود تھا، آپؐ کی سواری کی گرد اڑی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا دیکھو گرد نہ اڑاؤ، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریب پہنچے تو اس نے کہا محمد! پناگدھا ہٹاؤ، تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا، پھر سواری سے اترے اور اسلام کی دعوت دی، عبداللہ ابن ابی نے کہا "ہمارے گھر آکر ہم کو نہ ستاؤ، جو شخص خود تمہارے پاس جائے اس کو تعلیم دو" عبداللہ بن رواحہؓ جو مشہور شاعر تھے انھوں نے کہا، آپ ضرور تشریف لائیں بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا، جلسہ سے اٹھکر آپؐ سعد بن عبادہؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں، سعدؓ بن عبادہؓ نے عرض کی کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں، یہ وہ شخص ہے کہ آپؐ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ نے اس کے لیے ریاست کا تاج تیار کیا تھا[1]

غزوہ حنین میں آپؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا "یہ تقسیم خدا کی رضامندی کیلئے نہیں ہے" آپؐ نے سنا تو فرمایا "خدا موسیٰ پر رحم کرے ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا"[2]

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس میں آیا، آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی، آداب مسجد سے واقف نہ تھا، وہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا، لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں، آپؐ نے فرمایا، جانے دو، اور پانی کا ایک ڈول لاکر بہا دو خدا نے تم لوگوں کو دشواری کے لیے نہیں، بلکہ آسانی کے لیے بھیجا ہے"[3]

حضرت انسؓ جو خادم خاص تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو کسی کام کیلئے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۲۴ [2] ایضاً غزوہ حنین ص ۶۲۱ [3] ایضاً ص ۹۰۵

بھیجنا چاہا، میں نے کہا نہ جاؤں گا، آپ چپ رہ گئے ہیں یہ کہکر باہر چلا گیا، دفعۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی، میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ہنس رہے ہیں، پھر پیار سے فرمایا "انیس! جس کام کے لیے کہا تھا تو جاؤ" میں نے عرض کی اچھا جاتا ہوں، انسؓ نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے سات برس آپ کی ملازمت کی، کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، یا یہ کیوں نہیں کیا۔[1]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ کی عادت تھی کہ ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے، جب اٹھ کر گھر میں جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے، ایک دن حسب معمول مسجد سے نکلے ایک بدو آیا اور اس نے آپ کی چادر اس زور سے پکڑ کر کھینچی کہ آپ کی گردن سرخ ہو گئی، آپ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، بولا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دے، تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے، آپ نے فرمایا پہلے میری گردن کا بدلہ دو، تب غلہ دیا جائے گا، وہ بار بار کہتا تھا کہ خدا کی قسم میں ہرگز بدلہ نہ دوں گا، آپ نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجوریں لدوا دیں[2] اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔

قریش نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے تھے، برا بھلا کہتے تھے، ضد سے آپ کو محمدؐ (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے، بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے، لیکن آپ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمھیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہے، وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمد ہوں۔[3]

جس زمانہ میں آپ فتح مکہ کے لیے تیاریاں کر رہے تھے، اس بات کی خاص احتیاط فرما رہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادوں کی خبر نہ ہو، حاطب بن بلتعہؓ ایک صحابی تھے، انھوں نے چاہا کہ قریش کو

---

[1] صحیح مسلم و ابوداؤد کتاب الادب [2] ابوداؤد کتاب الادب، یہی واقعہ حضرت انسؓ سے بخاری و مسلم میں مروی ہے تیسیر بحوالہ [3] مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ۔

اس کی اطلاع کر دیں، چنانچہ ایک خط لکھکر انھوں نے چپکے سے ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا، آپ کو اس کی خبر ہوگئی، حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اسی وقت بھیجے گئے، جو قاصد کو مع خط کے گرفتار کر لائے، حاطب کو بلا کر دریافت کیا تو انھوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا اور معذرت چاہی، یہ موقع تھا کہ ہر سیاست داں مجرم کی سزا کا فتویٰ دیتا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے ان کو معاف فرمایا کہ وہ شرکائے بدر میں تھے، عورت جو اس جرم میں شریک تھی اس سے بھی کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔ حالانکہ یہ خط اگر یہ دشمنوں تک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا ہو جاتا۔

فرات بن حیان ایک شخص تھا، ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ پکڑا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا، لوگ اس کو پکڑ کر لے چلے، جب انصار کے ایک محلہ میں پہنچا تو بولا کہ میں مسلمان ہوں، ایک انصاری نے آکر اطلاع دی کہ وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے ایمان کا حال ہم ان ہی پر چھوڑتے ہیں، ان میں سے ایک فرات بن حیانؓ ہیں، مورخین نے لکھا ہے کہ وہ بعد کو صدق دل سے مسلمان ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمامہ میں ایک زمین عنایت فرمائی جس کی آمدنی ۔۔۔ تھی[2]

دشمنوں سے عفو و درگذر اور حسن سلوک

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب، نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگذر ہے، لیکن حامل وحی و نبوت کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی، دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اخلاق کے دائرۂ شریعت میں آکر یہ فرضیت مکروہ تحریمی

---

[1] صحیح بخاری فتح مکہ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب الجاسوس الذمی یہ حدیث سفیان ثوری کے واسطہ سے دو طریقوں سے مروی ہے، ایک میں ابوہمام الدلال ہیں اور یہی ابوداؤد کا طریق ہے، یہ طریق ضعیف ہے، دوسرا طریق بشر بن سری البصری کے ذریعہ سے ہے جو صحیح ہے امام احمد نے بھی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے [3] اصابہ ترجمۂ فرات مذکور۔

بنجاتی ہے، تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا،

دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا، جب کہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے، اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں، لیکن ان سب کو یہ کہکر چھوڑ دیا،

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء — تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا مکہ میں رہتا تھا، جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا، وہ بھاگ کر طائف آیا، طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا، اور وحشی کے لیے یہ بھی مامن نہ رہا، لیکن اس نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے، ناچار خود رحمت عالمؐ کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسقدر فرمایا کہ "میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۱"

ہند ابو سفیان کی بیوی، جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کیے فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہچان نہ سکیں اور بیخبری میں بیعت اسلام کر کے سند امان حاصل کرے پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند کو پہچان لیا، لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا ہند اس کرشمہ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی "یارسول اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا، لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۲"

عکرمہ دشمن اسلام ابو جہل کے فرزند تھے، اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

۱ صحیح بخاری قتل حمزہ ۲ صحیح بخاری ذکر ہند

سخت ترین دشمن تھے، فتح مکہ کے وقت ڈر سے بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں، وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو تسکین دی اور ان کو مسلمان کیا اور خدمتِ اقدس میں لیکر حاضر ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسمِ مبارک پر چادر تک[1] نہ تھی اور زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے،

مرحبا بالراکب المهاجر[2] اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو

صفوان بن امیہ، قریش کے رؤسائے کفر میں سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے، ان ہی نے عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر مامور کیا تھا جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے، اور قصد کیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلے جائیں عمیر بن وہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! صفوان ابن امیہ اپنے قبیلے کے رئیس ہیں، وہ ڈر سے بھاگ گئے ہیں کہ اپنے کو سمندر میں ڈالدیں، ارشاد ہوا کہ ان کو امان ہے عمیر نے عرض کی یا رسول اللہ امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمائیے جس کو دیکھ کر انکو میرا اعتبار آئے آپ نے اپنا عمامہ مبارک انکو عنایت فرمایا، جس کو لیکر وہ صفوان کے پاس پہنچے صفوان نے کہا مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا ڈر ہے عمیر نے جواب دیا صفوان! ابھی تمھیں محمد کے حلم وعفو کا حال معلوم نہیں، یہ سنکر وہ عمیر کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ عمیر کہتے ہیں کہ تم نے مجھے امان دیا ہے؟ فرمایا سچ ہے صفوان نے کہا تو مجھے دو مہینے کی مہلت دو، ارشاد ہوا کہ دو نہیں تم کو چار مہینے کی مہلت دیجاتی ہے، اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے، یہ واقعہ بہ تفصیل ابن ہشام میں مذکور ہے،

---

[1] موطا امام مالک کتاب النکاح [2] مشکوٰۃ کتاب الادب، بحوالہ ترمذی،

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینبؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی، حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھیں، کفار نے مزاحمت کی، ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گرا دیا جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا، اس کے علاوہ اور بھی بعض جرائم کا وہ مرتکب ہوا تھا، اور اسی بنا پر فتح مکہ کے وقت ہبار اشتہاریان قتل میں داخل تھا، چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے کہ داعیِ ہدایت نے خود آستانۂ نبوت کی طرف جھکا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میں بھاگ کر ایران چلا جاتا تھا لیکن پھر مجھے حضور کے احسانات اور حلم و عفو یاد آئے، میری نسبت آپ کو جو خبریں پہنچی تھیں وہ صحیح تھیں، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے۔ اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں، دفعۃً باب رحمت وا تھا، اور دوست و دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی،[1]

ابو سفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے، غزوات نبویؐ کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے بدر سے لیکر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت عباسؓ ان کو لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے، حضرت عمرؓ نے گذشتہ جرائم کی پاداش میں انکے قتل کا ارادہ کیا، لیکن آپ نے منع فرمایا، اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن و امان کا حرم بنا دیا، فرمایا کہ "جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف ہو گا"[2] کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟

---

[1] ابن اسحٰق و اصابہ ذکر ہبار [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم فتح مکہ مع فتح الباری

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہو رہا تھا، اگر کسی قبیلہ نے آخر تک سرتابی کی تو وہ بنو حنیفہ کا قبیلہ تھا، جس میں مسیلمہ نے ادعائے نبوت کیا تھا، ثمامہ ابن آثال اس قبیلے کے رؤسا میں تھا، اتفاق سے وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا، گرفتار کرکے مدینہ لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون میں باندھ دیا جائے، اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو، اس نے کہا "اے محمدؐ! اگر تم مجھے قتل کر دوگے تو ایک خونی کو کر دوگے، اور اگر احسان کروگے تو ایک شکر گذار پر احسان ہوگا، اور اگر زر فدیہ چاہتے ہو تو تم مانگو میں دونگا" یہ جواب سنکر آپ خاموش رہے، دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی، تیسرے دن بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی رسی کھول دو اور آزاد کردو۔ ثمامہ پر اس خلاف توقع لطف و عنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں واپس آکر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا، اور عرض کی یا رسول اللہ! دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپ سے زیادہ مبغوض نہ تھا اور اب آپ سے زیادہ دنیا میں مجھ کو کوئی محبوب نہیں، کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں برا نہ تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے، کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا، اور اب وہی پسندیدہ ہے۔

قریش کی ستمگری و جفاگری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا، بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے، اور یہ بے درد ان کی آوازیں سنکر ہنستے اور خوش ہوتے تھے، لیکن معلوم ہے کہ رحمتِ عالمؐ نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن آثال تھے، مسلمان ہو کر جب یہ

مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انھوں نے غصہ سے کہا کہ "خدا کی قسم اب رسول اللہ کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا"۔ اس بندش سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا، آخر گھبرا کر قریش نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا، حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اٹھا لو، چنانچہ پھر حسب دستور غلہ جانے لگا۔[1]

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ کفار کے ساتھ آپ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، مورخین یورپ مدعی ہیں کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا، اور جاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا، اس لیے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اس زمانہ کے ہیں جب کہ مخالفین کی قوتیں پامال ہو چکی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔

(ابو بصرہ غفاری) کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے، مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کر مہمان رہے، رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے، لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا، رات بھر تمام اہل بیت بھوکے رہے۔[2]

اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں، شب کو ایک کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا، آپ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا، وہ پی گیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی، وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا، پھر تیسری، پھر چوتھی، یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں، اور وہ سب دودھ پیتا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تنغص ظاہر نہ فرمایا، شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان اٹھا، اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا۔[3]

---

[1] ثمامہ کا پورا واقعہ صحیح بخاری ص ۶۲۷ و باب وفد بنی حنیفہ میں ہے، آخری ٹکڑا ابن ہشام میں مذکور ہے

[2] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۹۰ [3] جامع ترمذی باب ان المومن یاکل فی معاء واحد

حضرت اسمأ بیان کرتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں، اعانت خواہ مدینہ حضرت اسمأ کے پاس آئیں، ان کو خیال ہوا کہ اہل شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر دریافت کیا، آپ نے فرمایا ان کے ساتھ نیکی کرو[1]۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی ماں کافرہ تھیں، اور بیٹے کے ساتھ مدینہ میں رہتی تھیں، بہانت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی تھیں، ابو ہریرہؓ نے خدمت اقدس میں عرض کی، آپ نے بجائے غیظ و غضب کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے[2]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد تھا، روپیہ پیسہ جو کچھ آتا جاتا ان کے پاس رہتا، ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آجاتی تو ان سے ادا کردیا کرتے، ایک دفعہ بازار جارہے تھے ایک مشرک نے دیکھا ان سے کہا تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو، انھوں نے قبول کیا، ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا، اور ان سے کہا او حبشی! انھوں نے اس بدتہذیبی کے جواب میں 'لبیک' کہا بولا کچھ خبر ہے؟ وعدہ کے صرف چار دن رہ گئے ہیں، تم نے اس مدت میں قرضہ ادا نہ کیا تو تم کو کمریاں چرواکے چھوڑدوں گا۔ یہ عشا پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور سارا حال بیان کرکے کہا کہ خزانہ میں کچھ نہیں ہے، کل وہ مشرک آکر مجھ کو فضیحت کریگا، اس لیے مجھ کو اجازت ہو کہ میں کہیں نکل جاؤں، پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہوجائے گا، تو واپس آجاؤں گا غرض گھر آکر سو رہے، اور سامان سفر یعنی تھیلا، جوتی، ڈھال سر کے نیچے رکھ لی، صبح اٹھکر سفر کا سامان کررہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا ہے، یہ گئے تو دیکھا کہ

---

[1] صحیح بخاری باب صلۃ الوالد المشرک [2] صحیح بخاری۔

چار اونٹ سامان لدے ہوئے دروازے پر کھڑے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مبارک ہو یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہیں، انھوں نے بازار میں جاکر سب چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرضہ ادا کرکے مسجد نبوی میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہوگیا۔[1]

یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہے، جو ہجرت کا ساتواں سال ہے، حضرت بلالؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے، ایک مشرک ان کو حبشی کہکر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو بکریاں چرا کے چھوڑوں گا" حضرت بلالؓ اسکی تنگ گیری کے ڈرسے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ باتیں سنتے ہیں لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہیں فرماتے، بلال کی حمایت اور دلدہی کی تدبیر کرتے، اتفاق سے غلہ آجاتا ہے، اور مشرک کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے، اور اس کی بدزبانی اور سخت گیری سے درگذر کیا جاتا ہے، یہ حلم، یہ عفو، یہ تحمل رحمتِ عالم کے سوا کس سے ہو سکتا ہے۔

سب سے مشکل معاملہ منافقین کا تھا، یہ کفار کا ایک گروہ تھا جس کا رئیس عبد اللہ بن ابی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مدینہ میں تشریف لائے، اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس کو اتفاق کرلیا تھا کہ مدینہ کا فرمانروا بنادیا جائے، جنگِ بدر کے بعد اس نے اسلام کا اعلان کیا لیکن دل سے کافر تھا، اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے، اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہوگئی، یہ لوگ درپردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے، قریش اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے، ان کو مسلمانوں کے مخفی رازوں کی خبر دیتے رہتے، باایں ہمہ بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے، جمعہ جماعت میں شریک ہوتے اور لڑائیوں میں ساتھ جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکے حالات دیکھتے تھے

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ باب قبول ہدایا المشرکین۔

کے تمام نام و نشان سے واقف تھے، لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام دلوں کے اسرار سے نہیں، بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں، اس لیے آپ ان پر کفر کے احکام جاری نہیں فرماتے تھے، یہاں تک تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا، لیکن فیاض دلی اور عفو و حلم کے اقتضا سے آپ ان سے ہمیشہ حسن اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے،

ایک دفعہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا، انصاری نے کہا "یا للانصار" (یعنی انصار کی دہائی) مہاجر نے بھی مہاجرین کی دہائی دی، قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ کیا جاہلیت کی باتیں ہیں" دونوں رک گئے، عبداللہ بن ابی نے سنا تو کہا "مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں کو نکال دوں گا"۔ ساتھیوں سے کہا "آسان بات یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی خبرگیری سے ہاتھ اٹھا لو، یہ خود تباہ ہوں گے"۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ	یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھیوں پر
عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (منافقون)	خرچ نہ کرو تاکہ وہ منتشر ہو جائیں۔
يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ	کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلیں گے تو معزز
لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (منافقون)	لوگ کمینوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے؟ اس نے صاف انکار کیا، حضرت عمرؓ موجود تھے، بولے یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپؐ نے فرمایا لوگ چرچا کریں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔[1]

۱؎ صحیح بخاری تفسیر سورہ منافقون

جنگِ احد میں عبد اللہ بن ابی عین لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا جس سے مسلمانوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درگذر فرمایا اور وہ جب مرا تو اس احسان کے معاوضہ میں کہ حضرت عباسؓ کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا، مسلمانوں کی ناراضی کے باوجود آپنے اپنا قمیص مبارک اس کو پہنا کر دفن کیا[1]

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، خلق عمیم میں کافر و مسلم، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی ابرِ رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا، یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس شدت کی عداوت تھی، اسکی شہادت غزوہ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے، لیکن آپ کا طرزِ عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ ان میں ان ہی کی تقلید فرماتے[2]

ایک دفعہ ایک یہودی نے بر سرِ بازار کہا "قسم ہے اُس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی" ایک صحابی یہ کھڑے سُن رہے تھے، ان سے رہا نہ گیا، انھوں نے پوچھا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی؟ اس نے کہا "ہاں" انھوں نے غصہ میں ایک تھپڑ اس کے مار دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل اور اخلاق پر دشمنوں کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، آپنے اُن صحابی پر برہمی ظاہر فرمائی[3]

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضامندی دریافت کی اس نے کہا کہ "آپ جو فرماتے ہیں اس کو بجا لاؤ" چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا[4]

---

[1] بخاری میں یہ واقعہ متعدد روایتوں اور متعدد طریقوں سے منقول ہے [2] صحیح بخاری [3] صحیح بخاری کتاب الجنائز

ایک دفعہ سرِ راہ ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ کھڑے ہو گئے۔[1]

ایک دفعہ چند یہودی آپ کی خدمت میں آئے اور شرارت سے سلام علیکم کے بجائے "السام علیکم" (تم پر موت) کہا، حضرت عائشہؓ نے غصہ میں آکر ان کو بھی سخت جواب دیا، لیکن آپ نے ان کو روکا اور فرمایا "عائشہ بد زبان نہ ہو، نرمی کرو، اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے"[2]

یہودیوں کے ساتھ داد و ستد کرتے تھے، ان کے سخت و ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے، یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے، اس قسم کی متعدد مثالیں دوسرے عنوانات میں مذکور ہیں ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ محمد! دیکھو ایک مسلمان نے مجھکو تھپڑ مارا ہے، آپ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلا کر تنبیہ فرمائی

نصاریٰ کا وفد جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپ نے اسکی مہمانداری کی، مسجد نبوی میں ان کو جگہ دی، بلکہ ان کو اپنے طریق پر مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت دیدی اور جب عام مسلمانوں نے ان کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا۔[3]

یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے، نکاح و معاشرت کی اجازت دی اور ان کے لیے مخصوص امتیازی احکام شریعتِ اسلامیہ میں جاری فرمائے۔

غریبوں کے ساتھ محبت و شفقت | مسلمانوں میں امیر بھی تھے اور غریب بھی، دولتمند بھی اور فاقہ کش بھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ سب کے ساتھ یکساں تھا، بلکہ غریبوں کے ساتھ آپ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچاتی تھی، ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز [2] صحیح مسلم کتاب الادب ج ۲ ص ۲۲۹ مصر [3] زاد المعاد،

آپ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا تو بارگاہِ احدیت سے اس پر بازپرس ہوئی، مکہ کا واقعہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند اکابر قریش بیٹھے تھے، اور آپ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ اتفاق سے عبداللہ بن ام مکتوم جو آنکھوں سے معذور اور غریب تھے، ادھر آنکلے اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھکر آپ سے باتیں کرنے لگے، رؤسائے قریش چونکہ سخت متکبر اور مغرور تھے، ان کو یہ برابری ناگوار گذری آپ نے ابن ام مکتوم کیطرف توجہ نہیں فرمائی، اور اس امید پر ان ہی سے باتیں کرتے رہے کہ شاید اشقیا اسلام کی سعادت کو قبول کریں، اور ان کے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں، لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیت اتری[1]:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (عبس)	پیغمبر نے ترش روئی کی اور منھ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا اے پیغمبر! تجھے کیا خبر کہ تیری بات سن کر وہ پاک ہو جاتا یا نصیحت حاصل کرتا، تو نصیحت اسکو نفع پہنچاتی، لیکن جو بے پروائی برتتا ہے اسکی طرف متوجہ ہوتا ہے تو تیرا کیا نقصان ہے اگر وہ پاک صاف نہ بنے، اور جو تیرے پاس دوڑتا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے تو تو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے نہیں ہرگز نہیں یہ نصیحت عام ہے جو چاہے اس کو قبول کرے

یہی غربا اور مفلس، اسلام کے سب سے پہلے جان نثار بنے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لیکر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے، تو رؤسائے قریش ان کی ظاہری بدحیثیتی کو دیکھکر استہزا کہتے تھے،

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا	یہی وہ لوگ ہیں جنپر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے

---

[1] ترمذی تفسیر سورۂ عبس۔

لیکن آپ ان کے اس استغنا کو خوشی سے برداشت کرتے تھے،

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مزاج میں کسی قدر تعلّی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے، آپ نے ان کی طرف خطاب کرکے فرمایا "تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ ان ہی غریبوں کی بدولت آتی ہے"[1]

اسامہؓ بن زید سے فرمایا "میں نے درجنت پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ تر غریب مفلس ہی لوگ اس میں داخل ہیں"[2]

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مسجد نبویؐ میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے، اس اثنا میں آپ تشریف لے آئے اور ان ہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے، یہ دیکھکر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جاکر بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا "فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولتمندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے" عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ یہ سن کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے، اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی ان ہی میں ہوتا"[3]

ایک دفعہ آپ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، اس اثنا میں ایک شخص سامنے سے گذرا آپ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ "اس کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے جواب دیا کہ یہ امرا کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں، خدا کی قسم یہ اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کیا جائے" یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب

[1] مشکوٰۃ باب فضل الفقراء بروایت صحیح مسلم [2] حوالۂ مذکور بروایت بخاری و مسلم [3] حوالۂ مذکور بروایت دارمی

اسی راہ سے گذرے، آپ نے پھر اس سے استفسار فرمایا کہ "اس کی نسبت کیا کہتے ہو؟" عرض کی یا رسول اللہؐ! یہ فقرائے مہاجرین میں سے ہے اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کر دیا جائے اور سفارش کرے تو رد کر دی جائے، اگر کچھ کہنا چاہے تو نہ سنا جائے۔" ارشاد ہوا کہ "تمام روئے زمین میں اگر اس امیر جیسے آدمی ہوں تو اس سے یہ ایک غریب بہتر ہے۔[۱]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا میں فرمایا کرتے تھے "خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔" حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیوں؟ فرمایا "اس لیے کہ یہ دولتمندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔" پھر فرمایا اے عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیر، گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہ غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا۔[۲]"

ایک دفعہ چند غریب مسلمانوں نے آکر خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! امراء ہم سے درجۂ اخروی میں بھی بڑھتے جاتے ہیں، نماز، روزہ جس طرح ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں لیکن صدقات و خیرات سے جو نیکیاں ان کو ملتی ہیں، ان سے ہم محروم ہیں، آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں جس سے تم اگلوں کے برابر ہو جاؤ، اور پچھلوں سے بڑھ جاؤ، اور پھر کوئی تمہاری برابری نہ کر سکے؟" عرض کی ہاں یا رسول اللہ! بتائیے" ارشاد ہوا ہر نماز کے بعد ۳۳-۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور الحمد للہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے دولتمند بھائیوں نے بھی یہ وظیفہ سن لیا، اور پڑھنا شروع کر دیا، فرمایا ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

۱؎ حوالہ مذکور بروایت صحیح بخاری و صحیح مسلم ۲؎ مشکوٰۃ باب فضل الفقراء بروایت ترمذی و بیہقی و ابن ماجہ

یعنی یہ خدا کی دین ہے جس کو چاہے دے[1]،

مسلمانوں سے جو زکوٰۃ وصول ہوتی تھی اُس کی نسبت عام حکم تھا کہ

توخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم ہر قبیلے کے یا ہر شہر کے امراء سے لیکر وہیں کے غرباء میں تقسیم کر دیا جائے،

صحابہ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے[2]،

مساوات کے بیان میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمانؓ و بلالؓ کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں ہے، ڈانٹا، آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ "تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا" یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی مانگی اور اُن لوگوں نے معاف کیا،

عوالی میں ایک عورت رہتی تھی، وہ بیمار پڑی، اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مر جائے گی، آپ نے لوگوں سے کہا کہ وہ مر جائے تو میں جنازہ کی نماز خود پڑھاؤں گا اس کے بعد دفن کیجائے، اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا، اسکا جنازہ جب تیار ہو کر لایا گیا تو آپ آرام فرما رہے تھے، صحابہ اس وقت آپ کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھے اور رات ہی کو دفن کر دیا، صبح کو آپ نے دریافت فرمایا تو لوگوں نے واقعہ عرض کیا، آپ یہ سنکر کھڑے ہو گئے اور صحابہ کو ساتھ لے کر دوبارہ اس کی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کی[3]،

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پورا قبیلہ مسافرانہ حاضر خدمت ہوا، ان کی ظاہری حالت اس وجہ خراب تھی کہ کسی

---

[1] صحیح بخاری و مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ [2] ابو داؤد زکوٰۃ [3] یہ واقعہ بخاری وغیرہ میں بھی ہے لیکن سنن نسائی کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ باللیل سے لیا گیا ہے

بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ تن، برہنہ پا، کھالیں بدن سے بندھی ہوئی، تلواریں گلوں میں پڑی ہوئی ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ بیحد متاثر ہوئے، چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب میں آپ اندر گئے باہر آئے، پھر حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا، نماز کے بعد آپنے خطبہ دیا، اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت کے لیے آمادہ کیا۔[1]

دشمنان جان سے عفو و درگذر

(جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگزر کا واقعہ پیغمبر دل کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے، جس شب کو آپنے ہجرت فرمائی ہو، کفار قریش کے نزدیک تو طے شدہ تھا کہ صبح کو محمد کا سر قلم کر دیا جائے اس لیے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبوی کا محاصرہ کیے کھڑا رہا، اگرچہ اسوقت دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ میں ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی، اور اسکی جان صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم و کرم پر موقوف تھی لیکن ہر شخص کو معلوم ہو کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا،

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی قیمت مقرر کی تھی، اور اعلان کیا تھا کہ جو شخص محمد کا سر لائیگا یا زندہ گرفتار کریگا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار، ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے آپکے قریب پہنچے، آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھ کر اپنی نیت بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجکو سند امان لکھ دیجائے، چنانچہ سند امان لکھکر ان کو دیگئی،[2] اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، اور اس جرم کے متعلق ایک حرف سوال بھی درمیان میں نہیں آیا،[3]

---

[1] صحیح مسلم صدقات [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ [3] سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کا حال استیعاب و اصابہ وغیرہ میں دیکھو۔

عمیر بن وہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا، مقتولین بدر کے انتقام کے لیے جب سارا قریش بیتاب تھا تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ وہ چپکے سے جاکر نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کردے عمیر اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آیا لیکن وہاں پہنچنے کے ساتھ اسکے تیور دیکھ کر لوگوں نے پہچان لیا، حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی لیکن آپ نے منع فرمایا، اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے باتیں کیں، اور اصلی راز ظاہر کر دیا، یہ سنکر وہ سناٹے میں آگیا لیکن آپ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا، یہ دیکھکر وہ اسلام لایا اور مکہ میں جاکر دعوتِ اسلام پھیلائی۔[1] یہ واقعہ سنہ ۲ھ کا ہے۔

ایک دفعہ آپ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے راہ میں ایک میدان آیا دھوپ تیز تھی لوگوں نے درختوں کے نیچے بستر لگا دیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا دی، کفار موقع کے منتظر رہتے تھے، لوگوں کو غافل دیکھکر ناگاہ ایک طرف سے ایک بدو نے آکر بیخبری میں تلوار اتار لی، دفعۃً آپ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص سرہانے کھڑا ہے اور ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے، آپ کو بیدار دیکھکر بولا "کیوں محمد! اب بتاؤ تم کو اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟" آپ نے فرمایا "اَللّٰہ" یہ پُراثر آواز سنکر اس نے تلوار نیام میں کر لی اتنے میں صحابہ آگئے، آپ نے ان سے واقعہ دہرایا، اور بدو سے کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔[2]

ایک دفعہ ایک اور شخص نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہ اس کو گرفتار کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے، وہ آپ کو دیکھکر ڈر گیا، آپ نے اس کو مخاطب کرکے فرمایا "ڈرو نہیں اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کر سکتے تھے"[3]

---

[1] تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد ص ۲۰۸ [3] ابن حنبل ج ۳ ص ۷۱

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسّی آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اتر کر آیا اور چھپکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہا، اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہوگئے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو چھوڑ دیا، اور کچھ تعرض نہیں کیا، قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے[1]

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم (فتح) اسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے۔

خیبر میں ایک یہودیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے میں زہر دیا، آپ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا، آپ نے یہودیوں کو بلاکر دریافت کیا تو انھوں نے اقرار کیا، لیکن آپ نے کسی سے کچھ تعرض نہیں فرمایا، لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی نے انتقال کیا تو آپ نے صرف اس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی، (حالانکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کا اثر مرتے دم تک محسوس ہوتا رہتا تھا[2])

دشمنوں کے حق میں دعاے خیر

دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے، لیکن پیغمبر کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے، جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں، وہ ان کے حق میں دعاے خیر کرتے ہیں اور جو ان کے تشنۂ خون ہوتے ہیں وہ ان کو پیار کرتے ہیں، ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے، اس داستان کے دہرانے کے لیے بھی سنگدلی درکار ہے، اسی زمانہ میں خباب بن ارتؓ ایک صحابی نے عرض کی کہ "یارسول اللہ! دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیے، یہ سنکر چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا[3]، ایک دفعہ چند صاحبوں نے اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا کہ "میں دنیا کے لیے لعنت نہیں بلکہ رحمت بناکر بھیجا گیا ہوں[4]"

وہ قریش جنھوں نے تین برس تک آپ کو محصور رکھا، اور جو آپ کے پاس غلہ کے ایک دانہ کے

[1] جامع ترمذی تفسیر فتح [2] صحیح بخاری وفات النبی [3] صحیح بخاری مبعث النبی [4] مشکوٰۃ اخلاق النبی بحوالہ صحیح مسلم

پہنچنے کے روادار نہ تھے، ان کی شرارتوں کی پاداش میں دعائے نبوی کی استجابت نے ابر رحمت کا سایہ ان کے سر سے اٹھا لیا، اور مکہ میں اس قدر قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے ابوسفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ "محمد! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو"! آپ نے بلا عذر فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔[1]

جنگ احد میں دشمنوں نے آپ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں، دندان مبارک کو شہید کیا، جبین اقدس کو خون آلود کیا، لیکن ان حملوں کا وار آپ نے جس سپر پر روکا، وہ صرف یہ دعا تھی۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون   خدایا! ان کو معاف کر کہ یہ نادان ہیں۔

وہ طائف جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزا اور تمسخر سے دیا تھا، وہ طائف جس نے داعی اسلام کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا تھا، وہ طائف جس نے پائے مبارک کو لہولہان کیا تھا، ان کی نسبت فرشتہ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے، جواب ملتا ہے کہ "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو"۔ دس بارہ برس کے بعد یہی طائف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و تفنگ اور منجنیق سے دیتا ہے۔ جان نثاروں کی لاشوں پر لاشیں گر رہی ہیں، صحابہ عرض کرتے ہیں کہ "یا رسول اللہ! ان کے حق میں بد دعا کیجئے"! آپ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور ان کے حق میں بد دعا فرمائیں گے، لیکن زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں "خداوندا! ثقیف (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لا"۔ وہ تیر جو میدان جنگ میں نشانہ پر نہیں لگتے تھے، وہ مدینہ کے صحن مسجد میں زبان مبارک سے نکل کر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے، یعنی وہ مدینہ آکر خاص مسجد نبوی میں ٹھیرے جہاں وہ

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان ج ۲۔ [2] صحیح بخاری

ٹھہرائے گئے تھے مسلمان ہوئے[1]۔

دوس کا قبیلہ یمن میں رہتا تھا طفیل بن عمرو دوسی اس قبیلہ کے رئیس تھے وہ قدیم الاسلام تھے مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا، ناچار وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور قبیلے کی حالت عرض کرکے گذارش کی کہ ان کے حق میں بددعا فرمائیے، لوگوں نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی میں کوئی شک نہیں رہا، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن الفاظ میں دعا فرمائی، وہ یہ تھے:[2]

اللھم اھد دوسا وائت بھم — خداوندا دوس کو ہدایت کر اور ان کو لا

حضرت ابوہریرہؓ کی ماں مشرکہ تھیں، اپنی ماں کو وہ جس قدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے وہ انکار کرتی تھیں، ایک دن انھوں نے اسلام کی دعوت دی تو انکی ماں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی، حضرت ابوہریرہؓ کو اسقدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے اور اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا، آپ نے دعا کی "الٰہی ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب کر" وہ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کواڑ بند ہیں اور ماں نہا رہی ہیں، غسل کر فارغ ہو کر کواڑ کھولے اور کلمہ پڑھا[3]۔

عبداللہ بن ابی بن سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا، اور کوئی موقع اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں اور علانیہ استخفاف واہانت کا ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کفار قریش کے ساتھ اس کی خفیہ خط وکتابت تھی، غزوہ احد میں عین موقع پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو گیا، واقعۂ افک میں حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے والوں میں وہ سب سے آگے تھا

---

[1] ابن سعد غزوۂ طائف [2] صحیح مسلم مناقب دوس [3] صحیح مسلم فضائل ابی ہریرہؓ

باایں ہمہ اس کی فرد جرم کو رحمت عالم ﷺ کا حلم و عفو ہمیشہ دھوتا رہا، وہ مرا تو آپ نے اس کی مغفرت کی نماز پڑھی اس پر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے یہ کہا اور یہ کہا "یہ سکر آپ متبسم ہوئے اور فرمایا "ہٹو اے عمرؓ" جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا "اگر مجھے اختیار دیا جاتا کہ اگر ستر دفعہ میں نماز پڑھوں تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے تو اس سے بھی زیادہ پڑھتا"[۱]

بچوں پر شفقت بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے، معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے[۲] راستہ میں بچے مل جاتے تو ان کو خود سلام کرتے[۳]

ایک دن خالد بن سعیدؓ خدمت اقدس میں آئے، ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی، اور سرخ رنگ کا کرتہ بدن میں تھا، آپ نے فرمایا "سنہ سنہ" حبشی زبان میں حسنہ کو سنہ کہتے ہیں، چونکہ انکی پیدایش حبش میں ہوئی تھی اس لیے آپ نے اس مناسبت سے حبشی تلفظ میں حسنہ کے بجائے سنہ کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پشت پر مہر نبوت تھی ابھری ہوئی تھی، بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہیں وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگیں، خالدؓ نے ڈانٹا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا کہ کھیلنے دو[۴]

ایک دفعہ آپ کے پاس کہیں سے کپڑے آئے جن میں ایک سیاہ چادر بھی تھی، جس میں دونوں طرف آنچل تھے، آپ نے حاضرین سے کہا یہ چادر کس کو دوں، لوگ چپ رہے، آپ نے فرمایا "ام خالد کو لاؤ" وہ آئیں تو آپ نے اپنے ہاتھ سے ان کو پہنایا، اور دو دفعہ فرمایا "پہننا اور پرانی کرنا" چادر میں جو بوٹے تھے، آپ ان کو دکھا دکھا کر فرماتے تھے "ام خالد دیکھنا یہ سناہ ہے یہ سناہ ہے"[۵] اوپر گذر چکا ہے کہ ام خالد حبش میں پیدا ہوئی تھیں اور کمسن

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الجنائز [۲] ابوداؤد کتاب الادب [۳] بخاری ج ۲ ص ۹۲۲ [۴] اصابہ میں ہے کہ وہ اسقدر چھوٹی تھیں کہ لوگ ان کو گود میں اٹھا کر لائے (اصابہ ترجمہ ام خالدؓ) [۵] بخاری کتاب اللباس، سناہ حبشی میں حسن کو کہتے ہیں۔

مہینے تک وہیں رہی تھیں، اس لیے ان سے حبشی زبان میں خطاب کیا۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا، لوگ مجھکو خدمت اقدس میں لے گئے، آپ نے پوچھا ڈھیلے کیوں مارتے ہو میں نے کہا کھجوریں کھانے کے لیے، ارشاد فرمایا کہ کھجوریں جو زمین پر ٹپکتی ہیں، ان کو اٹھا کر کھا لیا کرو، ڈھیلے نہ مارو، یہ کہکر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی[1]

ماں بچے کی محبت کے واقعات سے آپ پر سخت اثر ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی ساتھ تھیں، اس وقت حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ نہ تھا، ایک کھجور میں پڑی ہوئی تھی، وہی اٹھا کر دیدی، عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے، اور دونوں میں برابر تقسیم کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ سنایا، ارشاد فرمایا خدا جس کو اولاد کی محبت میں ڈالے اور وہ ان کا حق بجالائے تو دوزخ سے محفوظ رہیگا[2]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کروں گا، دفعۃً صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے اور مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہو گی[3]

یہ محبت اور شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی، بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے، آپ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ وہ مشرکین کے بچے تھے، آپ نے فرمایا مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں

---

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد [2] صحیح بخاری ص ۸۸۷ [3] بخاری کتاب الصلوٰۃ

خبردار بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار بچوں کو قتل نہ کرو، ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے"[1]

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا، اس کو عنایت فرماتے[2]، بچوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے، ایک دفعہ آپ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا، اس نے کہا "تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو، میرے دس بچے ہیں مگر اب تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا" آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اگر تمھارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں"[3]

جابر بن سمرہؓ صحابی تھے، وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے گھر کی طرف چلے، میں بھی ساتھ ہو لیا کہ ادھر سے چند اور لڑکے نکل آئے، آپ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا[4]

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ میں آپ کا داخلہ ہو رہا تھا، انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل نکل کر گیت گا رہی تھیں، جب آپ کا ادھر گذر ہوا، فرمایا "اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو؟" سب نے کہا "ہاں یا رسول اللہ! فرمایا میں بھی تمھیں پیار کرتا ہوں"[5]

حضرت عائشہؓ کمسنی میں بیاہ کر آئی تھیں، محلہ کی لڑکیوں کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھیں آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں آپ کا لحاظ کر کے ادھر اُدھر چھپ جاتیں، آپ انھیں تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے[6]

غلاموں پر شفقت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تمھارے

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۴۳۵ [2] معجم صغیر طبرانی باب المیم معجم محمد [3] صحیح بخاری و مسلم کتاب الادب [4] صحیح مسلم باب طیب رائحۃ النبی صلعم [5] سیرۃ ج اول ہجرت [6] ابوداؤد کتاب الادب باب اللعب۔

بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ، اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں جو غلام آتے ان کو آپ ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے، لیکن وہ حضورؐ کے احسان وکرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے، ماں، باپ، قبیلہ، رشتہ کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، زید بن حارثہ غلام تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا، ان کے باپ ان کو لینے آئے لیکن وہ آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور اپنے جانے سے قطعاً انکار کر دیا، زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ سے آپ اسقدر محبت کرتے تھے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو میں اسکو زیور پہناتا، خود اپنے دست مبارک سے انکی ناک صاف کرتے تھے،

غلاموں کو لفظ "غلام" کا سنکر اپنی نظر میں اپنی آپ ذلت محسوس ہوتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی تکلیف بھی گوارا نہ تھی، فرمایا کوئی "میرا غلام" "میری لونڈی" نہ کہے، میرا بچہ "میری بچی" کہے، اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں، خداوند خدا ہے آقا کہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاموں پر شفقت اتنی ملحوظ تھی کہ مرض الموت میں سب سے آخری یہ وصیت فرمائی کہ "غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرا کرو"،

حضرت ابو ذرؓ بہت قدیم الاسلام صحابی تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے، ایک دفعہ انھوں نے ایک عجمی آزاد غلام کو برا بھلا کہا، غلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر شکایت کی، آپ نے ابو ذرؓ کو زجر فرمایا کہ "تم میں ابتک جاہلیت باقی ہے، یہ غلام تمھارے بھائی ہیں، خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی اگر تمھاسے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو، خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو، جو خود کھاؤ وہ انکو کھلاؤ، جو خود پہنو وہ انکو پہناؤ، انکو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں، اور اتنا کام دو تو خود بھی انکی اعانت کرو[1]"۔

ایک دفعہ ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی، ابو مسعود! تم کو جسقدر

---

[1] بخاری باب المعاصی من امر الجاہلیۃ و ابو داؤد کتاب الادب،

اس غلام پر اختیار ہے، خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے، ابو مسعودؓ نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، عرض کی یا رسول اللہ! میں نے لوجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا، فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تم کو چھو لیتی۔"

ایک شخص خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا، عرض کی "یا رسول اللہ! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟" آپ خاموش رہے، اس نے پھر عرض کی، آپ نے پھر خاموشی اختیار کی، اس نے تیسری بار عرض کی، آپ نے فرمایا "ہر روز ستر بار معاف کیا کرو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک خاندان میں سات آدمی تھے، اور سات آدمیوں کے بیچ میں ایک ہی لونڈی تھی، ایک دفعہ ان میں سے ایک نے اس لونڈی کو تھپڑ مارا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو، لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم سات آدمیوں کے بیچ میں یہی ایک خادمہ ہے، آپ نے فرمایا "اچھا اس وقت تک خدمت گذاری کرے جب تک تم اس سے بے نیاز نہ ہو جاؤ، جب حاجت نہ رہے تو وہ آزاد ہے۔"[1]

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے، جن کے وہ بہت شاکی تھے، وہ ان کو مارتے تھے، برا بھلا کہتے تھے، لیکن وہ دونوں باز نہ آتے تھے، انھوں نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا، آپ نے فرمایا "تمھاری سزا اگر ان کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر ورنہ سزا کی جو مقدار زاید ہوگی، اس کا بدلہ تمھیں بھی خدا سزا دیگا۔" یہ سن کر وہ بیقرار ہو گئے اور گریہ و زاری شروع کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا، "ونضع الموازین القسط" الخ، یہ سنکر انھوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ بہتر یہ ہے کہ میں ان کو اپنے سے جدا کر دوں، آپ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں۔"[2]

[1] یہ تمام واقعات ابو داؤد کتاب الادب باب حق المملوک میں مذکور ہیں [2] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۲۸۰

غلاموں کا لوگ بیاہ کر دیتے تھے، اور پھر جب چاہتے تھے، جبراً اُن میں تفریق کر دیتے تھے، چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کر دیا، اور پھر دونوں میں علیٰحدگی کرنی چاہی، غلام نے خدمت نبویؐ میں آکر شکایت کی، آپ نے منبر پر خطبہ دیا کہ "لوگ کیوں غلاموں کا نکاح کر کے پھر تفریق کرانا چاہتے ہیں، نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے"[1]

اسی رحم و شفقت کا اثر تھا کہ اکثر کافروں کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور آپ انھیں آزاد فرما دیتے تھے[2]، مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپ اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے[3]، جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے، چونکہ ان کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہیں ہوتا تھا، اسلیے جو آمدنی وصول ہوتی تھی، اس میں سب سے پہلے آپ انہی کو عنایت فرماتے تھے،

مستورات کے ساتھ برتاؤ، دنیا میں یہ صنف ضعیف (عورتیں) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہیں، اس لیے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیش نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا، اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت و منزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی، اس لیے شارع اسلامؐ کے واقعات زندگی میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مستورات کے ساتھ اُن کا طرز عمل کیا تھا،

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاد ازواج مطہرات سے چند روز علیٰحدگی کی جو روایت مذکور ہے، اس میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے، مدینہ میں نسبتہً عورتوں کی قدر تھی، لیکن اس قدر جس کی وہ مستحق تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق [2] ابو داؤد کتاب الجہاد و مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۲۴۸ [3] ابو داؤد باب قسمۃ الفئی،

سنے جس طرح اپنے ارشاد و احکام سے اُن کے حقوق قائم کیے، آپ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کر دیا، ازواج مطہرات کے واقعات مستقلاً مذکور ہیں، یہاں ہم عام واقعات لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں چونکہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا، عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اس لیے ہمارے لیے ایک دن خاص مقرر کر دیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی، اور اُن کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔

جن لوگوں نے آغاز اسلام میں حبش کو ہجرت کی تھی، ان میں اسماء بنت عمیس بھی تھیں، خیبر کی فتح کے زمانہ میں مہاجرین حبش مدینہ میں آئے تو وہ بھی آگئیں، ایک دن وہ حضرت حفصہؓ سے ملنے گئیں، اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، ان کو دیکھ کر پوچھا یہ کون ہیں، حضرت حفصہؓ نے نام بتایا، حضرت عمرؓ نے کہا ہاں وہ حبش والی، سمندر والی" اسماء بنت عمیسؓ نے کہا ہاں، وہی، حضرت عمرؓ نے کہا "ہم نے تم لوگوں سے پہلے ہجرت کی، اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ حق ہے" اسماءؓ کو سخت غصہ آیا، بولیں "ہرگز نہیں، تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، وہ بھوکوں کو کھلاتے تھے، ہمارا یہ حال تھا کہ گھر سے دور بیگانے حبشیوں میں رہتے تھے، لوگ ہم کو ستاتے تھے، اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگئے، اسماءؓ نے کہا "یا رسول اللہ! عمرؓ نے یہ کہا" آپ نے فرمایا تم نے کیا جواب دیا، انھوں نے ماجرا سنایا، آپ نے فرمایا "عمرؓ کا حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں، عمرؓ اور ان کے ساتھیوں نے صرف ایک ہجرت کی اور تم لوگوں نے دو ہجرتیں کیں۔"

اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق جوق اسمأؓ کے پاس آتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ان سے بار بار دہروا کر سنتے، حضرت اسمأؓ کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لیے دنیا میں کوئی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے زیادہ مسرت انگیز نہ تھی۔[۱]

حضرت انسؓ بن مالک جو خادم خاص تھے، ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا، جو رضاعت کے رشتہ سے آپ کی بھی خالہ تھیں، معمول تھا، جب آپ قبا تشریف لیجاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے، وہ اکثر کھانا لاکر پیش کرتیں، اور آپ نوش فرماتے، آپ سو جاتے تو بالوں میں سے جوئیں نکالتیں،

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ سے آپ کو نہایت محبت تھی، آپ اکثر ان کے گھر تشریف لیجاتے، وہ بچھونا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کرلیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط ملایا جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملایا جائے۔[۲]

ایک دفعہ حضرت انسؓ کی والدہ ملیکہ نے آپ کی دعوت کی کھانا خود تیار کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا نوش فرما کر فرمایا "آؤ میں تمھیں نماز پڑھاؤں" گھر میں صرف ایک چٹائی تھی، اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہو گئی تھی، حضرت انسؓ نے پہلے اس کو پانی سے دھویا، اور پھر نماز کے لیے بچھایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کی، حضرت انسؓ اور ان کی دادی اور یتیم (غلام) صف باندھکر کھڑے ہوئے، آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اور واپس آئے۔[۳]

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی (اسمأؓ) جو حضرت عائشہؓ کی علاتی بہن تھیں، حضرت زبیرؓ سے بیاہی

---

[۱] صحیح بخاری غزوۂ خیبر [۲] بخاری کتاب الجہاد ص ۳۹۰ [۳] بخاری کتاب الاستیذان [۴] بخاری باب الصلوٰۃ علی الحصیر،

تھیں، مدینہ میں آئیں تو اُس وقت حضرت حضرت زبیرؓ کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا کچھ نہ تھا حضرت اسماءؓ خود ہی گھوڑے کے لیے جنگل سے گھاس لاتیں اور کھانا پکاتیں، حضرت زبیرؓ کو جو زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پڑتی تھی وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں ایک دن وہ گٹھلیاں لیے ہوئے آرہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، آپ اس وقت اونٹ پر سوار تھے، اونٹ کو بٹھادیا کہ وہ سوار ہولیں، حضرت اسماءؓ شرمائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ وہ حجاب کرتی ہیں کچھ نہیں فرمایا اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک غلام بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا، مجھکو اس قدر غنیمت معلوم ہوا گویا میں غلامی سے آزاد ہوگئی۔[۱]

ایک بار قرابت کی بہت سی بیبیاں بیٹھی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں، حضرت عمرؓ آئے تو سب اٹھکر چل دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، حضرت عمرؓ نے کہا خدا آپ کو خنداں رکھے، کیوں ہنسے؟ فرمایا ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ وہ تمھاری آواز سنتے ہی سب آڑ میں چھپ گئیں، حضرت عمرؓ نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں، بولے کہا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سخت مزاج ہو۔[۲]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آپ منھ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے، عید کا دن تھا، چھوکریاں گا بجا رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ آئے تو ان کو ڈانٹا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو گانے دو، ان کی عید کا دن ہے۔[۳]

عورتیں نہایت دلیری کے ساتھ آپ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں، اور صحابہ

---

[۱] بخاری ص ۷۸۶ کتاب النکاح [۲] صحیح بخاری مناقب عمر بن خطاب [۳] مسلم کتاب العیدین۔

کو ان کی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی، لیکن آپ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے،

چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں، ان کی خاطرداری کا نہایت خیال رکھتے تھے،

انجشہ نام ایک حبشی غلام حدی خواں تھے، یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہراتؓ ساتھ تھیں، انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے، اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپ نے فرمایا "انجشہ! دیکھنا شیشے (عورتیں) ٹوٹنے نہ پائیں"!

حیوانات پر رحم، | حیوانات پر نہایت رحم فرماتے تھے، ان بے زبانوں پر جو ظلم مدت سے عرب میں چلے آتے تھے، موقوف کرادیے، اونٹ کے گلے میں قلادہ لٹکانے کا عام دستور تھا، اس کو روک دیا،[1] زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے، اور اس کو پکا کر کھاتے تھے، اس کو منع کر دیا، جانور کی دم اور ایال کاٹنے سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ دم ان کا مورچھل ہے اور ایال ان کی جانوروں کو دیر تک ساز میں باندھکر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا کہ "جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشستگاہ اور کرسی نہ بناؤ"! اسی طرح جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز بتایا، ایک بیرحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشق تیراندازی کرتے تھے، اس سنگدلی کی بھی قطعاً ممانعت کردی،

ایک دفعہ ایک گدھا راہ میں نظر پڑا جس کا چہرہ داغا گیا تھا، فرمایا کہ جس نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر خدا کی لعنت ہے"! علامت یا بعض دیگر ضرورتوں کی وجہ سے اونٹوں اور بکریوں کو داغنا پڑتا تھا ایسی حالت میں آپ ان اعضا کو داغتے جو زیادہ نازک نہیں ہوتے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بکریوں کے

---

[1] صحیح مسلم باب اللباس والزینۃ،

ریوڑ میں گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے کان داغ رہے ہیں۔[1]

ایک بار آپ کسی سفر میں جا رہے تھے، لوگوں نے مقام پر منزل کیا، وہاں ایک پرندہ نے انڈا دیا تھا، ایک شخص نے وہ انڈا اٹھا لیا، چڑیا بیقرار ہو کر پر مار رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اس کا انڈا چھین کر کس نے اس کو اذیت پہنچائی، ان صاحب نے کہا "یا رسول اللہ! مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے۔" آپ نے فرمایا "وہیں رکھ دو۔"[2]

ایک صحابی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، ان کے ہاتھوں میں چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندہ کے بچے تھے، آپ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آ رہی تھی جا کر دیکھا تو یہ بچے تھے میں نے ان کو نکال لیا، پرندہ نے یعنی ان بچوں کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر منڈلانے لگی، آپ نے فرمایا "جاؤ اور بچوں کو وہیں پھر رکھ آؤ۔"[3]

ایک بار راستہ میں ایک اونٹ نظر سے گذرا جس کے پیٹ اور پیٹھ شدتِ گرسنگی سے ایک ہو گئے تھی، فرمایا کہ "ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو۔"[4] ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ میں آپ تشریف لے گئے، ایک گرسنہ اونٹ نظر پڑا، آپ کو دیکھ کر بلبلایا، آپ نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا، پھر لوگوں سے ان کے مالک کا نام پوچھا، معلوم ہوا کہ ایک انصاری کا ہے، ان سے آپ نے فرمایا کہ "اس جانور کے معاملہ میں تم خدا سے نہیں ڈرتے؟"[5]

رحمت و محبت عام | حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر آئی تھی، حضرت

---

[1] یہ حدیثیں ترمذی وابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہیں [2] ادب المفرد امام بخاری باب رحمۃ البہائم [3] مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد باب رحمۃ اللہ [4] ابوداؤد کتاب الجہاد [5] ایضاً۔

مسیح نے کہا تھا کہ میں امن کا شہزادہ ہوں" لیکن شہزادۂ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں، لیکن امن کے شہنشاہ کو خداوند ازل ہی نے خطاب کیا،

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ — محمد! ہم نے تم کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و عفو، مسامحت و درگذر کے سینکڑوں واقعات پڑھ چکے، نظر آیا ہوگا کہ اس خزانۂ رحمت میں دوست و دشمن، کافر و مسلم، بوڑھے بچے، عورت مرد، آقا و غلام، انسان و حیوان ہر ایک صنفِ ہستی برابر کی حصہ دار تھی،

ایک صاحب نے آپ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو غضبناک ہو کر فرمایا میں دنیا میں لعنت کے لیے نہیں آیا ہوں[1] رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں" آپ نے دنیا کو پیغام دیا[2]۔

لاتباغضوا، ولاتحاسدوا ولاتدابروا — ایک دوسرے پر بغض و حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ

وکونوا عباد اللہ اخوانا — پھیرو اور اے خدا کے بندو سب آپس میں بھائی بھائی بنجاؤ

ایک اور حدیث میں حکم فرمایا:۔

احب للناس ماتحب لنفسك تكن مسلما[3] — لوگوں کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو تو مسلم ہوگے

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

لا یومن احدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسه وحتی یحب المرء لا یحبه الا للہ عزوجل (مسند احمد جلد ۳ ص ۲۷۲) — تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لیے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لیے رکھتا ہے جب تک وہ دوسرے کو بے غرض صرف خدا کے لیے پیار نہ کرے۔

---

[1] زرقانی ج ۶ ص ۲۸۹ [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ ص ۸۹۰ [3] جامع ترمذی ابواب الزہد بسند غریب۔

ایک شخص نے مسجد نبوی میں آکر دعا کی خدایا! مجھکو اور محمدؐ کو مغفرت عطا کر، آپ نے فرمایا "خدا کی رحمت کو تم نے تنگ کر دیا۔"[1] ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا، اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا، اور بولا "خداوندا! مجھ پر اور محمدؐ پر رحمت بھیج، اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر۔" آپ نے صحابہ کی طرف خطاب کرکے فرمایا "بتاؤ، یہ زیادہ راہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ"، یعنی آپ نے اس قسم کی دعا کرنا ناپسند فرمایا)

رقیق القلبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے، (مالک بن حویرث ایک وفد کے رکن بنکر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تھے، انکو بیس دن تک مجلس نبوی میں شرکت کا موقع ملا تھا، وہ فرماتے ہیں،

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحیماً رقیقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے،[2]

حضرت زینبؓ کا بچہ مرنے لگا تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا، اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے، مجبوراً آپ تشریف لیگئے، حضرت سعد بن عبادہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ بھی ساتھ تھے، بچہ کو لوگ اٹھا کر آپ کے پاس لائے، وہ دم توڑ رہا تھا، بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حضرت سعدؓ کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا؟ فرمایا "خدا ان ہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں۔"[3]

غزوۂ احد کے بعد جب آپ مدینہ تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا، مستورات اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں، یہ دیکھ کر آپ کا دل بھر آیا اور فرمایا حمزہؓ (عم رسول) کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔[4]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب [2] ابوداؤد کتاب الادب، شاید یہ دونوں واقعے ایک ہوں [3] بخاری ص ۸۸۹ باب رحمۃ الناس [4] صحیح بخاری ۸۴۴ باب المرضی [5] سیرۃ جلد اوّل، احد،

ایک بار ایک صحابی جاہلیت کا اپنا ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی، عرب میں لڑکیوں کے مار ڈالنے کا کہیں کہیں دستور تھا، میں نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا، وہ ابا ابا کہکر پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا، اس بیدردی کو سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ اس قصہ کو پھر دہراؤ، ان صحابی نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا، آپ بے اختیار روئے، یہانتک کہ روتے روتے محاسنِ مبارک تر ہو گئے۔[1]

حضرت عباسؓ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر باندھ دیے تھے، اور وہ درد سے کراہ رہے تھے، ان کے کراہنے کی آواز گوش مبارک میں بار بار پہنچ رہی تھی لیکن اس خیال سے ان کے ہاتھ نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے عزیز کے ساتھ غیر مساویانہ رحمدلی برتتے ہیں، تاہم نیند نہیں آتی تھی، آپ بے چین ہو ہو کر کروٹیں بدل رہے تھے، لوگوں نے بیقراری کا سبب سمجھکر گرہیں ڈھیلی کر دیں، حضرت عباسؓ کی کرب اور بے چینی رفع ہوئی تو آپ نے استراحت فرمایا،

مصعب بن عمیرؓ ایک صحابی تھے، جو اسلام سے پہلے بہت ناز و نعمت میں پلے تھے، ان کے والدین بیش قیمت بیش قیمت لباس ان کو پہناتے تھے، خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے، یہ دیکھکر کہ لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے، والدین کی محبت دفعۃً عداوت سے بدل گئی، ایک دفعہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں اس حال میں آئے کہ وہ جسم جو حریر و قاقم میں ملبوس رہتا تھا، اس پر پیوند کا ایک کپڑا سالم نہ تھا، یہ پُر اثر منظر دیکھکر آپ آبدیدہ ہو گئے۔[2]

عیادت و تعزیت و تجہیز و تکفین

بیماروں کی عیادت میں دوست و دشمن مومن و کافر کسی کی تخصیص نہ تھی

---

[1] مسند دارمی ص ۱ ج ۱، [2] ترغیب و ترہیب ج ۴ ص ۹۴ بحوالہ ترمذی و مسند ابو یعلیٰ،

(سنن نسائی باب التکبیر علی الجنازہ میں ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احسن شی عیادۃ المریض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے، بخاری وابوداؤد وغیرہ) میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپ عیادت کو تشریف لے گئے[1]

عبداللہ بن ثابت جب بیمار ہوئے اور آپ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی آواز دی وہ خبر نہ ہوئے، فرمایا "افسوس ابوالربیع تم پر ہمارا زور اب نہیں چلتا" یہ سنکر عورتیں بے اختیار چیخ اٹھیں، اور رونے لگیں، لوگوں نے روکا، آپ نے ارشاد فرمایا "اس وقت تو نے دو امر نہ کے بعد البتہ رونا نہیں چاہیے" عبداللہ بن ثابت کی لڑکی نے کہا، مجکو ان کی شہادت کی امید تھی کیونکہ جہاد کے سب سامان تیار کر لیے تھے، آپ نے فرمایا "ان کو نیت کا ثواب مل چکا"[2]

حضرت جابر بیمار ہوئے، تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا، پیادہ پا انکی عیادت کو جایا کرتے تھے[3] ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لیکر پیدل انکی عیادت کو گئے، ان پر غشی طاری تھی، پانی منگوا کر وضو کیا، اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا، جابر ہوش میں آگئے، اور عرض کی یارسول اللہ! اپنا ترکہ کس کو دوں، اس پر یہ آیت اتری یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَوْلَادِکُمْ[4]

ایک صاحب بیمار ہوئے، آپ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے، جب انھوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے، آپ کو تکلیف ہوگی، خبر نہ کی اور دفن کردیا، صبح کو معلوم ہوا تو آپ نے شکایت کی، اور قبر پر جاکر نماز جنازہ پڑھی،[5]

عبداللہ بن عمرو نے غزوہ احد میں شہادت پائی تھی، اور کافروں نے انکے ہاتھ پاؤں

---

[1] صحیح بخاری باب عیادۃ المشرک [2] ابوداؤد باب جنازہ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۵ تفسیر آیت مذکور [4] ایضاً
[5] بخاری کتاب الجنائز

کاٹ ڈالے تھے، ان کی لاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھی گئی اور اس پر چادر ڈالدی گئی، ان کے صاحبزادے (جابر) آئے اور جوش محبت میں چاہا کہ کپڑا اٹھاکر دیکھیں، حاضرین نے روکا، انھوں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا لوگوں نے پھر روک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دردپدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھادی جائے، چادر کا اٹھانا تھا کہ عبد اللہؓ کی بہن بے اختیار چلا اٹھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رونے کی بات نہیں، فرشتے ان کو اپنے پروں کے سایہ میں لے گئے[۱]

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے، آپ عیادت کو تشریف لے گئے، ان کو دیکھ کر آپ پر رقت طاری ہوئی، اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے، آپ کو روتا دیکھکر سب رو پڑے[۲]

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا[۳] مرگیا، تو لوگوں نے آپ کو خبر نہ کی ایک دن آپنے اس کا حال دریافت فرمایا لوگوں نے کہا وہ انتقال کرگیا، ارشاد فرمایا کہ تم نے مجکو خبر نہ کی، لوگوں نے اسکی تحقیر کی (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی) آپ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جاکر جنازہ کی نماز پڑھی[۴]

جنازہ جاتا تو آپ کھڑے ہوجاتے، بخاری میں روایت ہو کہ آپنے فرمایا کہ جنازہ جاتا ہو تو اس کے ساتھ جاؤ، ورنہ کم از کم کھڑے ہوجاؤ، اور اسوقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے،[۵]

اگرچہ آپ نہایت رقیق القلب و متاثر الطبع تھے خصوصاً اعزہ کی وفات کا آپ کو سخت صدمہ ہوتا تھا تاہم نوحہ و ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے حضرت جعفر (حضرت علیؓ کے بھائی تھے، جو آپ کو

---

[۱] بخاری جنازہ ص ۱۶۶، [۲] ایضاً ص ۱۷۴، [۳] بخاری باب الصلوۃ علی القبر میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے راوی نے شک کیا ہے کہ مرد تھا یا عورت لیکن دوسری روایتوں میں اس کا عورت ہونا بتحقیق مذکور ہے، محجن اس کا نام تھا، [۴] بخاری ص ۱۸۰، [۵] مسلم ...

[۶] بخاری ص ۱۷۵، ج اول کتاب الجنائز۔

بنہایت محبت تھی، جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو آپ مجلس ماتم میں بیٹھے، اسی حالت میں کسی نے آکر کہا کہ جعفرؓ کی عورتیں رو رہی ہیں، آپ نے فرمایا جاکر منع کر دو، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں، آپ نے دوبارہ منع کرا بھیجا، پھر بھی وہ باز نہ آئیں، سہ بارہ منع کرنے پر بھی، جب وہ باز نہ آئیں تو فرمایا کہ جاکر ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔[1]

لطف طبع | کبھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے، ایک دفعہ حضرت انسؓ کو پکارا تو فرمایا "او دو کان والے"[2] اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انسؓ نہایت اطاعت شعار تھے، اور ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔ حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی کا نام ابو عمر تھا، وہ کمسن تھے اور ایک ممولا پال رکھا تھا۔ اتفاق سے وہ مر گیا، ابو عمر کو بہت رنج ہوا، آپ نے ان کو غمزدہ دیکھا تو فرمایا یا ابا عمیر ما فعل النغیر[3] یعنی ابو عمر تمھارے ممولے نے یہ کیا کیا۔

ایک شخص نے خدمتِ اقدس میں آکر عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو، ارشاد ہوا کہ میں تم کو اونٹنی کا بچہ دوں گا، انھوں نے کہا یا رسول اللہ میں اونٹنی کا بچہ لیکر کیا کروں گا، آپ نے فرمایا کہ کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو"[4]

ایک بڑھیا خدمت اقدس میں آئی کہ حضور میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھ کو جنت نصیب ہو، آپ نے فرمایا بڑھیاں بہشت میں نہ جائیں گی، اس کو بہت صدمہ ہوا، اور روتی ہوئی واپس چلی آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس سے کہدو کہ بڑھیاں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔[5]

ایک بدوی صحابی تھے، جن کا نام زاہر تھا، وہ دہات کی چیزیں آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا

---

[1] بخاری کتاب الجنائز باب من جلس عند المصیبۃ [2] شمائل ترمذی [3] بخاری [4] شمائل ترمذی

تھے، ایک دفعہ وہ شہر میں آئے، گاؤں سے جو چیزیں لائے تھے ان کو بازار میں فروخت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ ادھر سے گذرے، ازاہر کے پیچھے جا کر ان کو گود میں دبا لیا، انھوں نے کہا کون ہے چھوڑ دو، مڑ کر دیکھا تو سرورِ عالم تھے، اپنی پیٹھ اور بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے لپٹا دی، آپ نے فرمایا کوئی اس غلام کو خریدتا ہے! بولے کہ یا رسول اللہ! مجھ جیسے غلام کو جو شخص خریدے گا نقصان اٹھائیگا آپ نے فرمایا، لیکن خدا کے نزدیک تمھارے دام زیادہ ہیں۔[1]

ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم میں گرانی ہے، فرمایا شہد پلا دو، دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے، آپ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی، سہ بارہ آئے پھر وہی جواب ملا، چوتھی بار آئے تو ارشاد فرمایا کہ "خدا سچا ہے" (قرآن میں ہے کہ شہد میں شفا ہے) لیکن تمھارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جاکر شہد پلاؤ" اب کی پلایا تو شفا ہو گئی،[2] معدہ میں مادۂ فاسد کثرت سے موجود تھا، جب پورا تنقیہ ہو گیا تو گرانی جاتی رہی۔

اولاد سے محبت

اولاد سے نہایت محبت تھی، معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں، ایک دفعہ کسی غزوہ میں گئے، اسی اثنا میں حضرت فاطمہؓ نے دونوں صاحبزادوں (حسنین علیہما السلام) کے لیے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازے پر پردے لٹکائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو خلاف معمول حضرت فاطمہؓ کے گھر نہیں گئے، وہ سمجھ گئیں، فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھ سے کنگن اتار لیے، صاحبزادے روتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ نے کنگن لیکر بازار

---

[1] شمائل ترمذی [2] بخاری ص ۸۴۸ باب الدواء بالعسل،

میں بھیجیئے کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لا دو

حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

ابو قتادہؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد نبوی میں حاضر تھے کہ دفعۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں) کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے، پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے اسی طرح پوری نماز ادا کی

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ کرتے تھے آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ عوالی میں پرورش پاتے تھے، جو مدینہ سے تین چار میل ہے، ان کے دیکھنے کے لیے مدینہ سے پیادہ پا جاتے، گھر میں دھواں ہوتا رہتا تھا، گھر میں جاتے بچہ کو انّا کے ہاتھ سے لے لیتے اور منہ چومتے، پھر مدینہ کو واپس آتے۔

ایک دفعہ اقرع بن حابسؓ جو عرب کے ایک رئیس تھے خدمت اقدس میں آئے آپ حضرت امام حسنؓ کا منہ چوم رہے تھے، عرض کی کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا، ارشاد فرمایا کہ "جو اوروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا" (یعنی خدا اس پر رحم نہیں کرتا)

حسنین علیہما السلام سے بے انتہا محبت تھی، فرماتے تھے کہ میرے گلدستے ہیں، حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لاؤ، دونوں صاحبزادوں کو لاتیں، آپ ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹاتے۔

لہ نسائی ص ۱۲۰ باب ادخال الصبیان فی المساجد، صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث مذکور ہے لہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۱

ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے، اتفاق سے حسنین علیہما السلام سرخ کرتے پہنے ہوئے آئے، کمسنی کی وجہ سے ہر قدم پر لڑکھڑاتے جاتے تھے، آپ ضبط نہ کر سکے، منبر سے اتر کر گود میں اٹھالیا اور اپنے سامنے بٹھالیا، پھر فرمایا، خدا نے سچ کہا ہے، اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ

فرمایا کرتے تھے حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں، خدا اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے،

ایک دفعہ امام حسنؓ یا امام حسینؓ دوش مبارک پر سوار تھے، کسی نے کہا کیا سواری ہاتھ آئی ہے، آپ نے فرمایا سوار بھی کیسا ہے[۱]

ایک دفعہ امام حسنؓ یا امام حسینؓ (راوی کو تعیین یاد نہیں رہا) آپ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے، آپ نے فرمایا اوپر چڑھ آؤ، انھوں نے آپ کے سینہ پر قدم رکھ دیے، آپ نے منہ چوم کر فرمایا، اے خدا! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی رکھ[۲]

ایک دفعہ آپ کہیں دعوت میں جا رہے تھے، امام حسین علیہ السلام راہ میں کھیل رہے تھے آپ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیے، وہ ہنستے ہوئے پاس آ آ کر نکل جاتے تھے، بالاخر آپ نے ان کو پکڑ لیا، ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹا لیا، پھر فرمایا حسین میرا ہے اور میں اس کا ہوں[۳]

اکثر امام حسین علیہ السلام کو گود میں لیتے اور ان کے منہ میں منہ ڈالتے اور فرماتے کہ خدایا میں اس کو چاہتا ہوں اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہے،

آپ کے داماد (حضرت زینبؓ کے شوہر) جب بدر سے قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو گھر

---

[۱] یہ تمام روایتیں شمائل ترمذی میں مذکور ہیں۔ اخیر حدیث کے ایک راوی کی نسبت ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے اس کو ضعیف الحافظہ کہا ہے [۲] ادب المفرد بخاری ص ۱۸۱ [۳] ایضاً ص ۵۳،

کہلا بھیجا، حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار بھیجدیا، یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینبؓ کے جہیز میں حضرت خدیجہؓ نے ان کو دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار دیکھا تو بیتاب ہو گئے، اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے، پھر صحابہ سے فرمایا کہ اگر تمھاری مرضی ہو تو یہ ہار زینبؓ کو بھیجدوں، سب نے بسر وچشم منظور کیا۔

حضرت زینبؓ کی کمسن صاحبزادی کا نام اُمامہ تھا، ان سے آپ کو بہت محبت تھی، آپ نماز پڑھتے میں بھی ان کو ساتھ رکھتے، جب آپ نماز پڑھتے تو وہ دوشِ مبارک پر سوار ہو جاتیں، رکوع کے وقت آپ ان کو کاندھے سے اتار دیتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہو جاتیں، روایتوں کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کو کاندھوں پر بٹھا لیتے اور اتار دیتے تھے لیکن ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ عمل کثیر ہے، وہ خود سوار ہو جاتی ہونگی اور منع نہ فرماتے ہوں گے۔

آپ کی ایک نواسی حالتِ نزع میں تھیں، صاحبزادی نے بلا بھیجا، آپ تشریف لے گئے، تو لڑکی اسی حالت میں آغوشِ مبارک میں رکھ دی گئی، آپ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے[1]۔

حضرت ابراہیمؑ کی وفات میں بھی آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا تھا، آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمزدہ ہو رہا ہے۔ لیکن منہ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جس کو خدا پسند کرتا ہے[2]۔ لیکن یہ محبت صرف اپنی ہی آل و اولاد کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عموماً بچوں سے آپ کو انس تھا،

---

[1] بخاری کتاب المرضیٰ ص ۸۴۴۔ [2] بخاری کتاب الجنائز ص ۱۷۴۔

ازواجِ مطہراتؓ کے مختصر سوانح حیات

سلسلۂ نسب یہ ہے خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی قصی پر پہنچکر ان کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں، ان کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ تھیں، ان کے والد اپنے قبیلہ میں ممتاز تھے، مکہ میں آکر سکونت اختیار کی اور بنو عبدالدار کے حلیف[1] بنے، عامر بن لوی کے خاندان میں فاطمہ بنت زائدہ سے نکاح کیا، ان کے بطن سے حضرت خدیجہؓ پیدا ہوئیں، ان کی پہلی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تیمی سے ہوئی ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام ہند[2] تھا اور دوسرے کا حارث، ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام بھی ہند تھا اسی بنا پر حضرت خدیجہؓ ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں، ہند نے اول اسلام قبول کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مفصل حلیہ ان ہی کی روایت سے منقول ہے، نہایت فصیح و بلیغ تھے حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک تھے، اور شہید ہوئے[3]

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں جسکے مفصل حالات گذر چکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ اولادیں ہوئیں، دو صاحبزادے جو دونوں بچپن میں انتقال کر گئے، اور چار صاحبزادیاں، حضرت فاطمہ زہراؓ حضرت زینبؓ حضرت رقیہؓ حضرت ام کلثومؓ ان سب کے حالات آگے آئیں گے،

---

[1] طبقات ابن سعد ذکر خدیجہ کتاب النساء [2] طبقات ابن سعد [3] اصابہ ذکر ہند

حضرت خدیجہؓ کی ایک بہن ہالہ تھیں، وہ اسلام لائیں اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔

حضرت خدیجہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی، جب وہ عقد نکاح میں آئیں تو انکی عمر چالیس برس کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے، نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہیں، انکی زندگی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر حضرت خدیجہؓ کی ہمنشین عورتوں کے پاس گوشت بھیجواتے تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا، لیکن مجکو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انکا ذکر کیا کرتے تھے، ایک دفعہ میں نے اس پر آپ کو رنجیدہ کیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ "خدا نے مجکو ان کی محبت دی ہے"۔[1]

ایک دفعہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں، اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی، انکی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی، آپکے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں اور آپ جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہوں گی"۔ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں، انکو نہایت رشک ہوا، بولیں کہ آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو مرچکیں، اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں دیں، صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے، لیکن استیعاب میں ہے کہ جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہرگز نہیں، جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انھوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انھوں نے میری مدد کی"۔

---

[1] صحیح مسلم فضائل خدیجہؓ

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں، وہ ابتدائے نبوت میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں، اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، انکی شادی پہلے سکران بن عمرو سے ہوئی تھی، حضرت سودہؓ ان ہی کے ساتھ اسلام لائیں، اور ان ہی کیساتھ حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی، حبشہ سے مکہ کو واپس آئیں، سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی، اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا، جس کا نام عبدالرحمن تھا، انھوں نے جنگ جلولا میں شہادت حاصل کی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پریشان و غمگین تھے، یہ حالت دیکھکر خولہ بنت حکیم نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا ہاں گھر بار بچوں کا انتظام سب خدیجہ کے متعلق تھا، آپکے ایما سے وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا انعم صباحاً، پھر نکاح کا پیام سنایا، انھوں نے کہا ہاں محمد شریف کفو ہیں لیکن سودہ سے بھی تو دریافت کرو، غرض سب مراتب طے ہو گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اور سودہ کے والد نے نکاح پڑھایا،[1] چار سو درہم مہر قرار پایا، نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودہؓ کے بھائی) جو اسوقت کافر تھے آئے، اور انکو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا،

---

[1] طبقات میں ہے کہ رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں انکا نکاح ہوا، زرقانی نے سنہ ۸ بھی لکھا ہے، یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ خود حضرت خدیجہؓ کے وفات کے سنہ میں اختلاف ہے،

حضرت عائشہؓ اور سودہؓ کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا، اس لیے مورخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہ کو تقدم ہے عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے بعد نکاح میں آئیں۔

شکل وشباہت حضرت سودہؓ بلند بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کیساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں، حجۃ الوداع میں جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ انکو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی آیت حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھیں حضرت عمرؓ کو یہ ناگوار ہوتا تھا، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے لیکن ابھی استدعا قبول نہیں ہوئی تھی کہ حضرت سودہؓ رات کے وقت قضائے حاجت کیلئے نکلیں چونکہ ان کا قد نمایاں تھا، حضرت عمرؓ نے کہا، سودہ! تم کو ہم نے پہچان لیا، اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی، [1]

اخلاق وعادات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات میں سخاوت وفیاضی ایک نمایاں وصف

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۲۶، آیت حجاب کے شان نزول میں سخت اختلاف ہے۔ ایک روایت تو یہی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپکے یہاں نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، کاش آپ ان کو پردے کا حکم دیتے ابن جریر نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کیساتھ کھانا کھا رہے تھے حضرت عائشہؓ بھی شریک طعام تھیں، ایک آدمی کا ہاتھ حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے چھو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گذرا، اس پر یہ آیت حجاب اتری، عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت زینبؓ کے دعوت ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی، چنانچہ صحاح میں یہ تفصیل موجود ہے، حافظ ابن حجر نے ان روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے متعدد اسباب تھے جن میں آخری سبب حضرت زینبؓ کا واقعہ تھا اور وہی آیت کا شان نزول ہے، کیونکہ خود آیت میں واقعہ کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں (فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۹)

تھا، اس بنا پر صحابہ میں جس کو آپ سے جس قدر تقرب حاصل تھا، اسی قدر اس پر اس وصف خاص کا زیادہ اثر پڑتا تھا، ازواج مطہرات کو آپ کے اخلاق و عادات وفیض صحبت سے متمتع ہونے کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا اس لیے یہ وصف ان میں عموماً نظر آتا ہے، حضرت سودہؓ اس وصف میں بہ استثناء حضرت عائشہؓ سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے انکی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے، بولا درہم، بولیں کھجور کی تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں، یہ کہکر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا

اطاعت اور فرمانبرداری بھی ان کا خاص وصف ہے، اور اس وصف میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز ہیں۔

روایت حدیث ان کے ذریعہ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے، صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہؓ ان سے روایت کی

وفات حضرت سودہؓ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، واقدی کے نزدیک انھوں نے امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت ۵۴ھ میں وفات پائی، حافظ ابن حجر اُن کا سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہیں، امام بخاری نے تاریخ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا، ذہبی نے تاریخ کبیر میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں وفات کی، حضرت عمرؓ نے ۲۳ھ میں وفات پائی ہے اس لیے انکا زمانہ خلافت ۲۲ھ ہوگا، خمیس میں ہے کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے[۱]

حضرت عائشہؓ

عائشہؓ نام تھا، اگرچہ اُن کو کوئی اولاد نہیں ہوئی، تاہم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے

---

[۱] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۰ میں بہ تفصیل مذکور ہیں، طبقات ابن سعد میں صرف پہلی روایت نقل کی ہے، حضرت عائشہؓ کے حالات خصوصاً انکے علمی اجتہادات کے لیے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، یہاں صرف ضروری سوانح زندگی لکھ دیے گئے ہیں

تعلق سے ام عبداللہ کنیت کرتی تھیں، ماں کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی، بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں،

سنہ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نکاح ہوا، اس وقت شش سالہ تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں، حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی تحریک کی آپ نے رضامندی ظاہر کی، خولہ نے ام رومان سے کہا انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے مذکور کیا، بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں اور میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی، لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آ جائیگا، بہرحال حضرت ابوبکرؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کر دیا، چار سو درہم مہر قرار پایا لیکن مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچسو درہم ہوتا تھا، نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ۳ سال تک رہا، سنہ میں آپ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ ساتھ تھے اہل و عیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے، جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا، ام رومان، اسماء، اور عائشہ کو لے آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زید بن حارثہؓ اور ابو رافع کو حضرت فاطمہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ وغیرہ کے لانے کے لیے روانہ فرمایا، مدینہ میں آکر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں، اشتداد مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا، اسوقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۹ سال کی تھی، سہیلیوں کیساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے حضرت عائشہؓ کو آواز دی، انکو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، ماں کے پاس آئیں انھوں نے منھ دھویا، بال درست کیے، گھر میں لے گئیں، انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہوئیں تو

سب نے مبارکباد دی، چاشت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور رسم عروسی ادا ہوئی، شوال میں نکاح ہوا تھا، اور شوال ہی میں یہ رسم بھی ادا کی گئی، زمانۂ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا، اس بنا پر اہل عرب اس مہینہ کو اس تقریب کے لیے مکروہ خیال کرتے تھے، اس خیال کے مٹانے کیلئے غالباً یہ مہینہ انتخاب کیا گیا تھا۔

وفات | حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ۹ برس تک زندگی بسر کی، ۹ سال کی عمر میں وہ آپ کے پاس آئیں، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو انکی عمر ۱۸ سال کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہؓ قریباً ۴۸ سال تک زندہ رہیں اور ۵۸ھ میں وفات پائی، اسوقت انکی عمر ۶۶ سال کی تھی، وصیت کے مطابق جنۃ البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں، قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمن، عبداللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیرؓ نے قبر میں اتارا، اسوقت حضرت ابوہریرہؓ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لیے انھوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے بہت محبت تھی، اسی محبت سے آپ نے مرض الموت میں تمام ازواجِ مطہراتؓ سے اجازت لی اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بسر کیے، ان سے محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا، ان کے متعلق احادیث و سیر میں نہایت کثرت سے واقعات درج ہیں۔

علمی زندگی | حضرت عائشہؓ کی علمی زندگی بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں، اکابر صحابہ پر انھوں نے دقیق اعتراضات کیے ہیں، جنکو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں، جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین کا اتفاق کیا ہے، بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں، ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں، بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے، ترمذی میں ہے کہ صحابہ کے سامنے

جب کوئی مشکل سوال پیش آجاتا تھا تو اسکو حضرت عائشہؓ ہی حل کرتی تھیں، انکے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے زیادہ خوش تقریر نہیں دیکھا، تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت اور ادب و انساب میں ان کو کمال تھا، شعراء کے بڑے بڑے قصیدے انکو زبانی یاد تھے، حاکم نے مستدرک میں اور ابن سعد نے طبقات میں بہ تفصیل ان واقعات کو لکھا ہے اور مسند ابن حنبل وغیرہ میں بھی جستہ جستہ انکے فضل و کمال کے دلائل و شواہد ملتے ہیں

حضرت حفصہؓ

حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں، ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا، بعثت سے پانچ برس پہلے عین اس سال جب قریش خانہ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئیں، انکی پہلی شادی خنیسؓ بن حذافہ سے ہوئی اور ان ہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، خنیسؓ نے غزوۂ بدر میں زخم کھائے اور واپس آکر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی[1]، خنیسؓ نے اپنی یادگار میں حضرت حفصہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں چھوڑی[2]، حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی، سوء اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا، اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمانؓ سے کی، انھوں نے کہا میں اس معاملہ میں غور کروں گا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۰، عام طور پر یہی مشہور ہے لیکن اصابہ میں ہے کہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ سے ان کے نکاح کی خواہش کی تھی، اور یہ مسلم ہے کہ حضرت رقیہؓ کا انتقال غزوۂ بدر کے بعد ہوا، اور اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ شریک غزوۂ بدر نہ ہو سکے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خنیس نے غزوۂ بدر کے بعد وفات پائی، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ مغموم بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ ادھر سے گذرے اور پوچھا کہ حفصہؓ سے نکاح کرتے ہو؟ اس کی عدت گذر گئی، اگر خنیس نے احد میں شہادت پائی ہوتی تو ان کی عدت کا زمانہ ۳ھ ہوتا، حالانکہ ان کا نکاح ۳ھ میں ہوا، فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۲ (۲) طبری ج ۳ ص ۱۰۰۰

سے ذکر کیا، انھوں نے خاموشی اختیار کی حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا، اس کے بعد خود جناب رسالت پناہؐ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش کی اور نکاح ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے، اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ کے نکاح کی درخواست کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گذرا لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہؐ نے ان کا ذکر کیا تھا، اور میں آپ کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا، اگر رسول اللہ نے ان سے نکاح نہ کر لیا ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔[۱]

حضرت حفصہؓ آخر حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں، اس لیے مزاج میں ذرا تیزی تھی، صحیح بخاری میں واقعۂ ایلا کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے، میں ایک دن کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا، اتفاق سے میری بی بی نے کچھ مشورہ دیا، میں نے کہا تم کو ان معاملات میں کیا دخل ہے، بولیں کہ تم میری بات پسند نہیں کرتے، حالانکہ تمھاری بیٹی رسول اللہؐ کو برابر کا جواب دیتی ہے، میں اٹھا اور حفصہؓ کے پاس آیا، میں نے کہا بیٹی! تم رسول اللہ کو جواب دیتی ہو یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں، بولیں ہاں ہم ایسا کرتے ہیں، میں نے کہا خبردار میں تمھیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں، تم اس کے گھمنڈ میں نہ آجانا جس کے حسن نے رسول اللہ کو فریفتہ کر لیا ہے۔[۲] (یعنی عائشہؓ)

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی، انھوں نے کہا مجھ کو حفصہؓ نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو، آپ نے فرمایا تم نبی کی بیٹی ہو، تمھارا چچا پیغمبر ہے، اور پیغمبر کے نکاح میں ہو، حفصہ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے۔[۳]

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ ہم رسول اللہ کے نزدیک تم سے زیادہ

---

[۱] بخاری ج ۲ ص ۵۷۱ [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۴ [۳] ترمذی ص ۷۱۱، کتاب المناقب،

معزز ہیں اہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی۔" حضرت صفیہؓ کو ناگوار گزرا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی شکایت کی، آپنے فرمایا "تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو، میرے شوہر محمدؐ، میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں۔"

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں، جو تقرب نبویؐ میں دوش بدوش تھی، اس بنا پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں، لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک و رقابت کا اظہار ہوجایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں، رسول اللہؐ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمھارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں، حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے، جس پر حفصہؓ سوار تھیں، جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے جس میں سانپ بچھو رہتے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں "خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے"۔

وفات | حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ میں جو امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، وفات پائی اور وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبداللہ بن عمرؓ سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمرؓ نے انکو کی تھی، اچھا جائداد بھی وقف کی اور کچھ مال صدقہ میں دیا، مروان بن حکم نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور

لہ اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے کہ ازواج مطہرات میں اس قسم کی روایتیں صرف حفصہؓ و حضرت عائشہؓ کے متعلق مذکور ہیں اسکے اسباب کی تلاش کرنی چاہیے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کیساتھ منافقین کو جو عداوت تھی وہ قابل لحاظ ہے

کے گھر سے مغیرہ بن شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کاندھا دیا، یہاں سے قبر تک حضرت ابوہریرہؓ جنازہ کو لے گئے، ان کے بھائی عبداللہ، عاصم، سالم، عبیداللہ، حمزہ، عبداللہ بن عمرؓ کے لڑکوں نے قبر میں اتارا،[1]

حضرت زینب ام المساکینؓ

زینب نام تھا، چونکہ فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلاتی تھیں، اس لیے ام المساکینؓ کی کنیت کیساتھ مشہور ہو گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں، عبداللہ بن جحشؓ نے جنگ احد ۳ھ میں شہادت پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا، نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ انکا انتقال ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنھوں نے وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں، وفات کے وقت انکی عمر ۳۰ سال کی تھی،

حضرت ام سلمہؓ

ہند نام، ام سلمہ کنیت تھی، باپ کا نام سہیل اور ماں کا عاتکہ تھا، پہلے عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں (جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہیں) اور جو ان کے چچا زاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے، اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان ہی کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، چنانچہ سلمہ

---

[1] حضرت حفصہؓ کے بھی سنہ وفات میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ انھوں نے جمادی الاول ۴۱ھ میں وفات پائی، اس وقت انکا سن ۵۹ سال کا تھا، لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی، ایک روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا، یہ روایت اس بنا پر کی گئی کہ وہبؓ بن مالک سے روایت کی کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حفصہ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا لیکن یہ سخت غلطی ہے، افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا ہے، اس دوسری فتح کا فخر حضرت معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے اور یہ فتح ۴۵ھ میں ہوئی وہب بن مالک نے حفصہ کا سال وفات اسی فتح کے سنہ کو قرار دیا ہے،

ان کے بیٹے حبشہ ہی میں پیدا ہوئے، حبشہ سے مکہ میں آئیں، اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی، ہجرت میں انکو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کرکے مدینہ میں آئیں۔

ان کے پہلے شوہر ابو سلمہؓ بڑے شہسوار تھے، مشہور غزوات بدر و احد میں شریک ہوئے، غزوۂ احد میں چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، اور جمادی الثانی ۴ھ میں وفات پائی، ان کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یارسول اللہ! آپ کو سہو تو نہیں ہوا، فرمایا یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے

ابو سلمہؓ کی وفات کے وقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد جب عدت گذر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انھوں نے چند عذر پیش کیے :۔

۱۔ میں سخت غیور عورت ہوں،

۲۔ صاحب عیال ہوں،

۳۔ میرا سن زیادہ ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارا کیا،

وفات اہل سیر متفق اللفظ ہیں کہ ازواج مطہراتؓ میں سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی، لیکن ان کے سنہ وفات میں نہایت اختلاف ہے، واقدی نے ۵۹ھ بیان کیا ہے، ابراہیم حربی کے نزدیک ۶۲ھ ہے اور تقریب میں اسی کو صحیح کہا ہے، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ۵۸ھ میں وفات پائی، بعض روایتوں میں ہے کہ ۶۱ھ میں جب امام حسینؓ کی شہادت کی خبر آئی اس وقت ان کا انتقال ہوا ہے، ابن عبداللہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔

اس اختلاف روایت کی حالت میں سنہ وفات کی تعیین مشکل ہے، تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں۔ مسلم میں ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس لشکر کا حال پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا، یہ سوال اسوقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکر شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا، اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا، واقعہ حرہ ۶۳ھ میں پیش آیا ہے، اس لیے اس سے پہلے ان کی وفات کی تمام روایتیں صحیح نہیں۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کی وصیت کی بنا پر سعید بن زید نے نماز جنازہ پڑھائی لیکن اس روایت کی صحت میں کلام ہے، سعید بن زید نے باختلاف روایت ۵۰ھ یا ۵۱ھ یا ۵۸ھ میں انتقال کیا ہے، اور یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ اس وقت ام سلمہؓ زندہ تھیں، واقدی نے لکھا ہے کہ ابوہریرہؓ نے انکا جنازہ پڑھایا، مگر انکی وفات کے وقت سعیدؓ بن زید زندہ ہوتے تو حضرت ابوہریرہؓ خلافِ وصیت کیونکر نماز جنازہ پڑھ سکتے تھے، بہر حال ازواج مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی، اور وفات کے وقت ان کی عمر ۸۴ سال کی تھی۔

فضل وکمال ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد فضل وکمال میں اُن ہی کا درجہ ہے، ابن سعد نے طبقات میں اسکی تصریح کی ہے، روایتِ حدیث اور نقلِ احکام میں حضرت عائشہؓ کے سوا اور تمام بی بیوں پر اُن کو فضیلت حاصل ہے، صلح حدیبیہ میں جب صحابہ کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی میں تامل تھا، تو حضرت ام سلمہؓ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی اور ان کی یہ دانشمندی اور عقل وذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری میں بہ تفصیل موجود ہے۔

حضرت زینبؓ

ازواج مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعوی رکھتی تھیں اُن میں حضرت زینبؓ بھی تھیں، خود حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کانت تسامینی یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں اور ان کو اسکا حق بھی تھا نسبی حیثیت سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، جمال میں بھی ممتاز تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے نہایت محبت تھی، زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ شریک تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت عائشہؓ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انھوں نے صاف لفظوں میں کہدیا۔

ماعلمت الا خیراً — مجکو حضرت عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں،

حضرت عائشہؓ کو ان کے اس صدق و اقرار حق کا خود اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو عقد میں لانا چاہا تو انھوں نے کہا کہ میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرتی،

ایک دفعہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے، حضرت زینبؓ اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں، حضرت عمرؓ نے ڈانٹا، آپ نے فرمایا ان سے درگذر کرو، یہ اواہ ہیں (یعنی خاشع و متضرع ہیں)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں، اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا، انھوں نے اس پر ایک کپڑا ڈالدیا، اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا، میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کردو، برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے، انھوں نے کہا کہ کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاسی درہم نکلے، جب تمام

مال تقسیم ہوچکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد میں عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں، یہ دعا مقبول ہوئی اور اسی سال اُن کا انتقال ہوگیا۔

وفات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے فرمایا تھا،

اسرعکن لحاقابی اطولکن یدا تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا، لیکن ازواجِ مطہرات اسکو حقیقت سمجھیں، چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بناپر اس پیشینگوئی کا مصداق ثابت ہوئیں اور ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انتقال کیا، کفن کا خود سامان کر لیا تھا، اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اس کے بعد ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا، انھوں نے کہا وہ شخص جوان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا (چنانچہ اسامہؓ، محمد بن عبد اللہ بن جحش، عبد اللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا)

سنہ ۲۰ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی، واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت ان کا نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں۔

حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی، جو غزوہ مریسیع میں قتل ہوا، اس لڑائی میں کثرت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان ہی لونڈیوں میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں، جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو ثابت بن

قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں۔

اسلام میں اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں، اس طریقہ کو فقہا کی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں، اسی اصول کے موافق حضرت جویریہؓ مکاتبہ بن گئیں، انکو شرط کے موافق ۹ اوقیہ سونا ادا کرنا تھا، لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی، رسول اللہ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ میں مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہ حارث کی بیٹی ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے، مجھ پر جو مصیبتیں آئی ہیں، وہ آپ سے مخفی نہیں، میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی اور ۹ اوقیہ سونے پر ان سے عہد کتابت کیا، یہ رقم میرے امکان میں نہ تھی، لیکن میں نے آپ کے بھروسہ پر اسکو منظور کر لیا، اور اب آپ سے اسکا سوال کرنے کے لئے آئی ہوں، آپ نے فرمایا تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انھوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا میں یہ رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں، وہ راضی ہو گئیں، آپ نے ثابتؓ بن قیس کو بلایا، وہ بھی راضی ہو گئے، آپ نے رقم ادا کی اور انکو آزاد کر کے نکاح کر لیا، یہ چرچا پھیلا تو لوگوں نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے رشتہ مصاہرت قائم کر لیا، آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتائی گئی ہے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جویریہؓ کی برکت سے سیکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود حضرت جویریہؓ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی، اور آپ نے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کر دیا تھا،

حضرت جویریہؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی، اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا،

حضرت ام حبیبہؓ

رملہ نام اور ام حبیبہ کنیت تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں اور عبید اللہ بن جحش سے عقد ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو دونوں مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت تانیہ کی، ایک روایت ہے کہ انکی بیٹی حبیبہ جنکی کنیت کیساتھ وہ مشہور ہیں حبشہ ہی میں پیدا ہوئیں حبشہ میں جاکر عبید اللہ ابن جحش نے عیسائیت قبول کر لی لیکن ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں، اختلاف مذہب کی بنا پر عبید اللہ ابن جحش نے ان سے علیحدگی اختیار کی، اور اب وہ وقت آگیا کہ انکو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ام حبیبہؓ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے انھوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا، اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفرؓ بن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا،[۲]

تمام لوگوں کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی، لوگوں نے بعد نکاح اٹھنا چاہا لیکن

---

[۱] سال نکاح میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ ۶ھ میں نکاح ہوا لیکن بعض روایتوں میں ۷ھ بھی بیان کیا گیا ہے، ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن الضمری کو بغرض نکاح بھیجا ہو اور ۷ھ میں نکاح پڑھایا گیا ہو، اس میں بھی اختلاف ہے کہ نکاح کہاں ہوا، اور کس نے پڑھایا لیکن صحیح یہ ہے کہ حبشہ میں نکاح ہوا، اور نجاشی نے نکاح پڑھایا [۲] صحیح روایت یہی ہے لیکن اور بھی مختلف تعدادیں کی گئی ہیں بعض روایتوں میں دو سو دینار ہیں بعضوں کے نزدیک چار ہزار دینار (ابو داود میں دینار کے بجائے چار ہزار درہم ہے، زہری کی روایت میں چالیس اوقیہ کی تعداد کا ذکر ہے، اسلئے اگر چاندی ہو گی تو اس کے سولہ سو درہم ہوتے ہیں،

نجاشی نے کہا دعوت ولیمہ تمام پیغمبروں کی سنت ہے، ابھی بیٹھنا چاہئے چنانچہ کھانا آیا، لوگ دعوت کھا کے رخصت ہوئے، جب مہر کی رقم ام حبیبہ کو ملی، تو انھوں نے پچاس دینار ابرہہ کو دیئے لیکن اس نے اس رقم کو اس کنگن کے ساتھ جو پہلے دیئے گئے تھے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھکو منع کر دیا ہے، دوسرے دن ان کی خدمت میں عود، زعفران، عنبر وغیرہ نے کرائی جن کو وہ اپنے ساتھ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائیں، جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہو گئے، تو نجاشی نے انکو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا،

ام حبیبہ نے ۴۴ھ میں وفات[1] پائی، اور مدینہ میں دفن ہوئیں،

حضرت میمونہ رض

میمونہ نام ا باپ کا نام حارث، اور ماں کا نام ہند تھا، پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح میں تھیں، مسعود نے طلاق دیدی، تو ابورہم بن عبد العزی نے نکاح کر لیا، ابورہم کے انتقال کے بعد رسول اللہ کے نکاح میں آئیں، نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو ہبہ کیا،

دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے اپنے غلام ابورافع کو اوس بن خولی کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا، اور انھوں نے ایجاب قبول کیا، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت عباس رض نے اس نکاح کی تحریک کی اور ان ہی نے نکاح پڑھایا،

[1] بعضوں نے سالِ وفات ۴۲ھ لکھا ہے، ابن ابی خیثمہ کے نزدیک ان کا سالِ وفات ۴۴ھ ہے بعض لوگوں نے ۵۰ھ اور بعضوں نے ۵۹ھ بیان کیا ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دمشق میں مدفون ہوئیں

وفات | یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انھوں نے انتقال بھی کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور قبر میں اتارا صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی ہیں، جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، با ادب آہستہ لے چلو،

سالِ وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انھوں نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت صفیہؓ

صفیہ اصل نام نہ تھا زرقانی نے لکھا ہے کہ عرب میں مالِ غنیمت کا جو بہترین حصہ امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوجاتا تھا، اسکو صفیہ کہتے تھے، چونکہ وہ جنگِ خیبر میں اسی طریقہ کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں، اس لئے صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں ورنہ اصلی نام زینب تھا باپ کا نام حیی بن اخطب اور ماں کا نام ضرہ تھا حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی، باپ قبیلہ بنو نضیر کا سردار اور ماں قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی، حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی ابن مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا، حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں، جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، انھوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپ نے رئیسہ بنو نضیر و قریظہ کو دحیہ کو دیدیا، وہ تو صرف آپکے قابل ہیں آپ نے حکم دیا کہ دحیہ اس

عورت کے ساتھ حاضر ہوں، وہ صفیہؓ کو لیکر آئے تو آپ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا، خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی، اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا انکو جمع کر کے دعوتِ ولیمہ فرمائی، وہاں سے روانہ ہوئے تو آپنے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا، اور اپنے عبا سے ان پر پردہ کیا، یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ ازواجِ مطہراتؓ میں داخل ہو گئیں،

حضرت صفیہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبت تھی، اور ہر موقع پر انکی دلجوئی فرماتے تھے، ایک بار آپ سفر میں تھے، ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں، حضرت صفیہؓ کا اونٹ سو راتفاق سے بیمار ہو گیا، حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے آپنے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دیدو، انھوں نے کہا کہ کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اسقدر ناراض ہوئے کہ دو ۲ مہینے تک انکے پاس نہ گئے،

ایک بار آپ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ رو رہی ہیں، آپنے رونے کی وجہ پوچھی، انھوں نے کہا کہ عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہیں،" آپنے فرمایا تم نے یہ کیوں کہہ دیا کہ ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں، اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔"

حضرت صفیہؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں،

اولاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد میں سخت اختلاف ہے، متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپ کے چھ اولادیں تھیں، قاسم، ابراہیم، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہؓ، ان تمام لڑکیوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئیں، لیکن ابن اسحاق نے دو صاحبزادوں کا نام اور لیا ہے طاہر، طیب، اس بنا پر اولاد ذکور کی تعداد لڑکیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔[۱]

اس بارہ میں تمام اقوال کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ[۱۲] اولادیں تھیں جن میں آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں، لڑکیوں کی تعداد میں کسی قسم کا اختلاف نہیں، البتہ صاحبزادوں کی تعداد میں سخت اختلاف ہے، مجموعی تعداد آٹھ[۸] تک پہنچی ہے جن میں قاسم اور ابراہیم پر تمام راویوں کا اتفاق ہے، حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ سے اور بقیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھیں۔[۱]

حضرت قاسمؓ

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے، اور غالباً نبوت سے گیارہ برس پہلے پیدا ہوئے ہونگے) مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے، ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو[۲] سال تک زندہ رہے، ابن فارس نے لکھا ہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے،

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں جس طرح یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے اسی طرح سب سے پہلے انتقال بھی کیا، عام روایت یہ ہے کہ قبل بعثت وفات پائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی سے تھی

کے انتساب سے ہی آپ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے، صحابہ بھی جب آپکا محبت سے نام لیتے تو ابوالقاسم ہی کہتے

ایک دن آپ بازار سے گذر رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے یا ابا القاسم کہکر آواز دی، آپنے مڑکر دیکھا تو اس نے کہا یا رسول اللہ میں اسی نام کے ایک دوسرے شخص کو پکار رہا ہوں، دفع اشتباہ کیلئے پھر آپنے منع فرمایا کہ کوئی یہ کنیت نہ رکھے

حضرت زینبؓ

اہل سیر کا اتفاق ہے کہ لڑکیوں میں سب سے بڑی تھیں، زبیر بن بکار کا قول ہے کہ حضرت قاسمؓ کے بعد پیدا ہوئیں لیکن ابن کلبی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اولاد حضرت زینبؓ ہی ہیں،

بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۰ سال کی تھی، پیدا ہوئیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے،

حضرت زینبؓ کی شادی انکے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع لقیط سے ہوئی غزوہ بدر میں ابوالعاص گرفتار ہوگئے، جب یہ رہا کئے گئے تو آپنے وعدہ لیا گیا کہ مکہ جاکر حضرت زینبؓ کو بھیج دینگے

ابوالعاص نے مکہ جاکر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ انکو مدینہ کی طرف روانہ کیا، چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا، کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لئے تھے، مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو کفار قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا

ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو نیزے سے زمین پر گرادیا، وہ حاملہ تھیں حمل ساقط ہوگیا، کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ اب کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا" لوگ ہٹ گئے، تو ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا، اور کہا تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے" انھوں نے

تیر ترکش میں ڈالدیئے، ابوسفیان نے کہا "محمدؐ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں، تم کو معلوم ہیں، اب اگر تم علانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری

ہی ہم کو زینبؓ کے روکنے کی ضرورت نہیں، جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے، اُس وقت چوری چھپے لیجانا،
کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور چند روز کے بعد اُنکو رات کے وقت لیکر روانہ ہوئے زید بن حارثہؓ کو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے پہلے بھیجدیا تھا، وہ بطن یا جج میں تھے کنانہ نے زینبؓ کو انکے حوالہ کیا، وہ انکو لیکر روانہ ہو گئے،

حضرت زینبؓ مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابو العاص کو حالتِ شرک میں چھوڑا، ابو العاص
دوبارہ ایک سریہ میں گرفتار ہوئے، اُس وقت بھی حضرت زینبؓ نے انکو پناہ دی، مکہ جا کر انھوں نے
لوگوں کی امانتیں حوالے کیں اور اسلام لائے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے حضرت زینبؓ
نے انکو حالتِ شرک میں چھوڑا تھا، اسلئے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی، وہ مدینہ آئے تو حضرت
زینبؓ دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی جدید
نکاح نہیں ہوا لیکن دوسری روایت میں جدید نکاح کی تصریح ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت
گو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہا نے دوسری روایت پر عمل کیا ہے اور حضرت
عبداللہ بن عباسؓ کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر و شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا، اسلئے
حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسکو نکاح اول سے تعبیر کیا، ورنہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے،

ابو العاص نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے
شریفانہ تعلقات کی تعریف کی، نکاح جدید کے بعد حضرت زینبؓ بہت کم زندہ رہیں، ۶ھ یا ۷ھ
میں (باختلاف روایت) ابو العاصؓ اسلام لائے تھے اور اسلئے ۸ھ میں حضرت زینبؓ نے انتقال کیا ام ایمنؓ

---

[1] اصابہ میں ہے کہ ابو العاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ جمادی الاول ۶ھ میں روانہ ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید
ابن حارثہؓ کو ۱۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا، مقام عیص میں قافلہ ملا، کچھ لوگ گرفتار کیے گئے، اور اسباب لوٹ میں آیا،
ان ہی میں ابو العاص بھی تھے ابو العاص آئے تو حضرت زینبؓ نے انکو پناہ دی اور انکی سفارش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا مال واپس کرا

حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور ام سلمہؓ نے غسل دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی، ابو العاص اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں اتارا،

حضرت زینبؓ نے دو اولاد چھوڑی، امامہ اور علی، علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی، لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی،

امامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبت تھی، آپ انکو اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے، صحاح میں ہے کہ آپ انکو کاندھے پر رکھکر نماز پڑھتے تھے، جب رکوع میں جاتے تو دوش مبارک سے اتار دیتے، جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کر لیتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیے میں بھیجیں جن میں ایک زریں ہار بھی تھا، امامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں، آپ نے فرمایا میں اسکو اپنی محبوب ترین اہل کو دونگا، ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا، لیکن آپ نے امامہ کو بلا کر وہ ہار خود انکے گلے میں ڈال دیا، ابو العاص نے حضرت زبیرؓ بن عوام کو امامہ کے نکاح کی وصیت کی تھی، حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا تو انھوں نے حضرت علیؓ سے انکا نکاح کر دیا، حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو مغیرہ کو وصیت کر گئے کہ امامہ سے نکاح کر لیں، مغیرہ نے نکاح کیا اور ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جسکا نام یحییٰ تھا، لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، امامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی،

حضرت رقیہؓ

جرجانی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکیوں میں سب سے چھوٹی تھیں لیکن مشہور روایت یہ ہے، کہ حضرت زینبؓ کے بعد ۳۳ سنہ قبل نبوت میں پیدا ہوئیں، پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی

ہوئی، ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ شادی قبل نبوت ہوئی تھی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اور آپ نے دعوتِ اسلام کا اظہار کیا، ابو لہب نے بیٹوں کو جمع کرکے کہا اگر تم محمدؐ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے"؛ دونوں فرزندوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کردی دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کا نکاح زمانۂ جاہلیت میں ہوا، لیکن خود ایک روایت حضرت عثمانؓ سے مروی ہے جسمیں زمانۂ اسلام کی تصریح ہے، نکاح کے بعد حضرت عثمانؓ نے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہؓ بھی ساتھ گئیں مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ حال معلوم نہ ہوا، ایک عورت نے آکر خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بی بی کو لیکر ہجرت کی ہے،

حبش میں حضرت رقیہؓ کے ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام عبداللہ تھا، لیکن صرف ۲ سال زندہ رہا، حضرت عثمانؓ حبش سے مکہ کو واپس آئے، اور وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہؓ مدینہ میں آکر بیمار ہوئیں، یہ غزوۂ بدر کا زمانہ تھا، حضرت عثمانؓ انکی تیمارداری کی وجہ سے شریک جہاد نہ ہوسکے عین اسی دن جس روز زید بن حارثہؓ نے مدینہ آکر فتح کا مژدہ سنایا، وفات پائی، غزوۂ بدر کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازہ میں شریک نہ ہوسکے،

حضرت ام کلثومؓ

کینت ہی کے نام سے مشہور ہیں ۳ھ میں جو غزوۂ بدر کا سال تھا، جب حضرت رقیہؓ کا

انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ام کلثومؓ کیساتھ نکاح کر لیا، بخاری میں ہے

کہ جب حضرت حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا حضرت

عثمانؓ نے ٹال دیا لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہوئی تو آپ نے حضرت

عمرؓ سے کہا میں تمکو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمانؓ کیلئے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں،

تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمانؓ سے کر دیتا ہوں" بہر حال نکاح

ہوا، اور نکاح کے بعد حضرت ام کلثومؓ ۶ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں، شعبان ۹ھ میں

انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی، اور حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ

حضرت اسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اتارا،

حضرت فاطمہ زہراؓ

فاطمہ نام، زہرا لقب، سن ولادت میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ سلہ بعثت میں پیدا

ہوئیں، ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی، اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں تطبیق دی

ہے کہ سلہ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت

فاصلہ ہے اسلئے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانہ کعبہ

کی تعمیر ہو رہی تھی، پیدا ہوئیں بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

لہ حضرت علیؓ کے متعلق ایک روایت ہے کہ ۸ برس کی عمر میں اسلام لائے یہ سکی تعیین اسی روایت کی بنا پر ہے لیکن قول ابن

یہ ہے کہ وہ دس سال کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے اس روایت کی رو سے اُن کا سن ۶۴ سال ڈیڑھ مہینہ کا تھا۔

حضرت فاطمہؓ دگران کا سال ولادت ۱۸ سنہ بعثت صحیح تسلیم کر لیا جائے جب پندرہ سال ساڑھے
پانچ مہینے کی ہوئیں، تو ۲ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے ساتھ نکاح کر دیا، اس وقت
حضرت علیؓ کا سن ۲۱ برس پانچ مہینے کا تھا، حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ
اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا حضرت علیؓ نے خواہش کی تو
آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہیں آپ نے فرمایا گھوڑا تو
لڑائی کیلئے ضروری ہے زرہ فروخت کر ڈالو حضرت عثمانؓ نے ۴۸۰ درہم پر خریدی، اور حضرت علیؓ نے قیمت لاکر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈالدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں
عقد ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا اصابہ میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک
چادر دو چکیاں، اور ایک مشک بھی دی، اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں
نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ایک مکان
لے لیں چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ اس میں قیام کیا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی
کوشش فرماتے تھے، چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی
تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں صلح کرا دیتے تھے، ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا، آپ گھر میں تشریف
لے گئے، اور صفائی کرا دی، گھر سے مسرور نکلے، لوگوں نے پوچھا آپ گھر میں گئے تھے، تو اور حالت تھی
اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں، فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرا دی جو مجھ کو محبوب ہیں
ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لیکر چلیں

پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے۔ حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی، آپ نے فرمایا، بیٹی، تم کو خود سمجھنا چاہیئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے، حضرت علیؓ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ انھوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا اب میں تمہاری خلاف مزاج کوئی بات کروں گا۔

(ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایک دوسرا نکاح کرنا چاہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے آپنے مسجد میں خطبہ دیا، اس میں اپنی ناراضی ظاہر کی فرمایا، میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے جس سے اُس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اذیت ہوگی" چنانچہ حضرت علیؓ اُس ارادہ سے باز آگئے اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک پھر کبھی دوسرا نکاح نہیں کیا[1]۔)

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ، محسنؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا، حضرت زینبؓ، امام حسن، امام حسین علیہما السلام اور ام کلثومؓ اہم واقعات کے کارنامے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں،

حضرت فاطمہؓ نے رمضان ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ۶ ماہ بعد وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۲۹ سال تھا، سن کی تعیین میں سخت اختلاف ہے بعضوں نے ۲۴ سال، بعضوں نے ۲۵ سال، اور بعضوں نے ۳۰ سال بتایا ہے لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اگر ۱ھ کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت اُن کا یہ سن نہیں ہو سکتا تھا، البتہ اگر ۲۹ سال کی عمر تسلیم کیجائے تو اس سنہ کو سال ولادت قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لیجائے کہ وہ ۵ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت اُن کا سن ۲۹ سال کا ہو سکتا ہے

[1] صحیح بخاری ذکر اصہار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲؎ اس میں بھی اختلاف ہے بعضوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابراہیمؑ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری اولاد ہیں ذیحجہ سنہ ۸ھ بمقام عالیہ جہاں ماریہ قبطیہؓ رہتی تھیں پیدا ہوئے، اس بنا پر لوگ عالیہ کو مشربۂ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے، ابورافع کی بی بی سلمیٰ نے جو آنحضرت صلعم یا آپ کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی تھیں، دایہ گیری کی خدمت انجام دی، ابورافع نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپ نے اس کے صلہ میں ایک غلام عطا فرمایا، ساتویں دن عقیقہ ہوا، آپ نے بال کے برابر چاندی خیرات کی، اور حضرت ابراہیمؑ کے نام پر نام رکھا، دودھ پلانے کے لئے تمام انصار نے خواہش کی لیکن آپ نے ان کو ام بردہ خولہ بنت زید الانصاری کے حوالہ کیا، اور اس کے معاوضہ میں کھجور کے چند درخت دیئے، بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے یہ خدمت ام سیف کے متعلق کی، قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ام سیف اور ام بردہ ایک ہی ہیں، یہ تاویل کچھ مستبعد نہیں لیکن ان کے شوہر کا نام براء بن اوس بتایا جاتا ہے، اور وہ ابوسیف کی کنیت کے ساتھ مشہور نہیں،

ام سیف عوالیٔ مدینہ میں رہتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرط محبت سے وہاں جاتے حضرت ابراہیمؑ کو گود میں لیتے، اور چونکہ ام سیف کے شوہر لوہار تھے، اس لئے گھر دھوئیں سے بھرا رہتا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود نظافتِ طبع گوارا فرماتے،

ابراہیم نے ام سیف ہی کے یہاں انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو عبدالرحمنؓ بن عوف کے ساتھ تشریف لائے، نزع کی حالت تھی، گود میں اٹھالیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۳) بعد صرف تین دن زندہ رہیں، بعضوں نے چار مہینے بتایا ہے بعضوں کے نزدیک ۲ مہینے کے بعد انتقال ہوا کسی نے ایک مہینہ کسی نے تین مہینے بعد اور بعضوں نے ۳ مہینے ۵ دن بعد لکھا ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے ۶ مہینے والی روایت مذکور ہے،

عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی یہ حالت ہے؟ آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے،
عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند میں گہن لگ جاتا ہے، اتفاق سے
جس روز حضرت ابراہیمؓ نے وفات پائی، سورج میں گہن لگ گیا تھا، عام طور پر مشہور ہوگیا کہ
یہ ان کی موت کا اثر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا "چاند اور سورج خدا کی نشانیاں
ہیں، کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا"

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی،
عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے متصل دفن ہوئے، قبر میں فضل بن عباسؓ، اور اسامہؓ نے اتارا، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے کھڑے تھے، قبر پر پانی چھڑکا گیا اور اس پر ایک امتیازی علامت
قائم کی گئی،

ابوداؤد اور بیہقی کی روایت کے موافق دو مہینے دس دن کی عمر پائی، ذیحجہ ۸ھ میں
پیدا ہوئے تھے، اس روایت کی بنا پر ۹ھ میں انتقال ہوا، واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول
۱۰ھ میں وفات کی، اس لحاظ سے تقریباً پندرہ ۱۵ مہینے زندہ رہے، بعض روایتوں میں ہے
کہ سولہ ۱۶ مہینے آٹھ دن کی عمر پائی، بعض لوگوں نے مدت حیات ایک برس دس ماہ چھ دن
لکھی ہے، لیکن صحاح میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابراہیم ۱۸ مہینے تک زندہ رہے؛

ازواجِ مطہرات کے ساتھ معاشرت

ازواجِ مطہرات کی تعداد ۹ تک پہونچی تھی، اُن میں عام اصول فطرت کے موافق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتیں تھیں، باہم رشک و منافست بھی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کرتے تھے، اُن کی خورد و پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہو سکتا تھا، اسلئے اُن کو شکایت کا موقع ملتا تھا، ان تمام حالات کے ساتھ آپ کی جبینِ خلق پر کبھی شکن نہیں پڑتی تھی۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ کو بے انتہا محبت تھی جب وہ عقد نکاح میں آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ریعانِ شباب اور اُن کا بڑھاپا تھا، تاہم آپنے اُن کی وفات تک کوئی شادی نہیں کی، وفات کے بعد بھی جب کبھی اُن کا ذکر آجاتا، توجوشِ محبت سے بے تاب ہو جاتے تھے، (تفصیل اوپر گذر چکی ہی)

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ ازواجِ مطہرات میں سب سے محبوب تر تھیں لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں، حسن صورت میں حضرت صفیہؓ اُن سے بڑھکر تھیں اور کمسن بھی تھیں، دیگر ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج اُن سے کم نہ تھیں لیکن حضرت عائشہؓ کی قابلیت، ذہانت، قوتِ اجتہاد، دقتِ نظر، وسعتِ معلومات ایسے اوصاف تھے جو اُن کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔

ایک دفعہ چند ازواجِ مطہرات نے حضرت فاطمہؓ کو سفیر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، جناب سیدہؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں دستور کے موافق پہلے اذن طلب کیا، اجازت ملی تو سامنے آئیں،

اور عرض کی کہ ازواج مطہرات نے مجھکو وکیل بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ابوبکر کی بیٹی کو ہم پر کیوں ترجیح دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جان پدر! کیا تم اس کو نہیں چاہتیں جسکو میں چاہتا ہوں" جناب سیدہؓ کیلئے اتنا کافی تھا، اٹھ کر ازواج مطہرات سے کہا میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گی

اب اس خدمت (سفارت) کے لئے حضرت زینبؓ انتخاب کی گئیں۔ کیونکہ ازواج میں سے حضرت زینبؓ کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعوی تھا، اس لئے وہی اس خدمت کے لئے زیادہ موزوں تھیں، انہوں نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا، اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا، کہ حضرت عائشہؓ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ چپ سُن رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینبؓ جب تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں، اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہو کر رہ گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہ ہو ابوبکر کی بیٹی ہے۔[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کیلئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بناء پر ہو سکتا ہے، مال، نسب، حسن، دینداری، سو تم دیندار عورت تلاش کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کام میں سب سے مقدم جو چیز پیش نظر ہوتی تھی وہ دین ہوتا تھا۔ اس لئے ازواج میں بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھیں، جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہو سکتی تھی، ازواج مطہرات کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا وہ خلوت و جلوت کی شریک صحبت تھیں اس لئے مذہبی احکام و مسائل کے علم و اطلاع کا بھی انکو سب سے زیادہ موقع

---

[۱] یہ واقعہ پوری تفصیل کیساتھ بخاری اور دیگر احادیث کی کتابوں میں ہے۔ الفاظ روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریق نے صرف نکتہ چینی اور ایک دوسرے کی کسرشان کی تھی جیسا کہ عام طور پر سوکنیں باہم خانگی جھگڑوں میں کرتی ہیں لیکن یہ کم نظری ہے حضرت عائشہؓ نے اپنی ترجیح کی وہ مستحکم دلیلیں بیان کی ہوں گی جس کا جواب سکوت کے سوا کچھ ہو سکتا ہو گا نہ کہ ... کتاب النکاح نسائی

مل سکتا تھا لیکن ساتھ ہی اس کی ضرورت تھی کہ مسائل کے سمجھنے اور نکات شریعت کی تہ تک
پہنچنے کی قابلیت جس قدر زیادہ ہوتی اُسی قدر زیادہ تمتع اٹھا سکتا تھا،

حضرت عائشہؓ مجتہدانہ دل و دماغ رکھتی تھیں، اس لئے قربِ صحبت سے اس قدر فائدہ
اٹھا سکیں کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہ سے مخالفت کرتی تھیں، اور
انصاف بالائے طاعت است اکثر مسئلوں میں اُن کی فہم و دقتِ نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے،
چنانچہ اس کی کسی قدر تفصیل حضرت عائشہؓ کے حالات میں گذر چکی ہے،

معمول تھا کہ ہر روز آپ تمام ازواجِ مطہرات کے گھروں میں (جو پاس پاس تھے) تشریف
لیجاتے، ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے جب اُن کا گھر آجاتا جن کی باری ہوتی تو
شب کو وہیں قیام فرماتے، یہ ابوداؤد کی روایت ہے، زرقانی میں حضرت ام سلمہؓ کے حال میں لکھا ہے کہ
عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتدا حضرت ام سلمہؓ سے ہوتی تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی انہی
کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آجاتی تھیں، اور دیر تک صحبت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب رخصت
ہو جاتی تھیں، اس سے ظاہر ہوگا کہ گو ازواج میں کبھی کبھی منافست کا اظہار ہوتا تھا، لیکن دل صاف
تھے، اور باہم مل کر لطفِ صحبت اٹھاتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت نے جس طرح ان
آئینوں کو جلا دی تھی اس کا اندازہ افک کے واقعہ سے ہو سکتا ہے جس میں جناب عائشہؓ کو منافقین نے متہم کیا تھا،
اس سے بڑھکر حریفوں کے لئے انتقام کا کیا موقع مل سکتا تھا، لیکن باوجود اسکے کہ غیر متعلق لوگ تہمت لگانے میں آلودہ
ہو گئے تھے تاہم ازواج مطہرات کا دامن صاف تھا، حضرت عائشہؓ کی بڑی حریف حضرت زینبؓ تھیں لیکن
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے استفسار فرمایا تو انھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا کہ جانتی ہیں تہمت سے

حضرت عائشہؓ جب واقعۂ افک کا ذکر کرتی تھیں تو ہمیشہ حضرت زینبؓ کی پاک باطنی کی شکر گذاری ظاہر کرتی تھیں، چنانچہ بخاری کی متعدد روایتوں میں تفصیلاً مذکور ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ازواجِ مطہرات کی خاطر داری فرماتے۔ اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے، اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ ازواجِ مطہرات سفر میں تھیں، ساربان اونٹ کو تیز ہانکنے لگے، آپ نے فرمایا، "دیکھنا یہ آبگینے (شیشے) ہیں"۔

حضرت صفیہؓ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں، ایک دن انھوں نے کھانا پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، آپ اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے حضرت عائشہؓ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کئے اور اُن کو جوڑا، پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔[۹۲]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برہم ہو کر بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں، اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آ گئے اور حضرت عائشہؓ کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ صلعم سے چلا کر بولتی ہے، آنحضرت صلعم بیچ میں آ گئے اور حضرت عائشہؓ کے آڑے آ گئے، حضرت ابوبکرؓ غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے کہا کیوں؟ کس طرح تم کو بچا لیا؟ چند روز کے بعد حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو وہ حالت بدل چکی تھی، بولے کہ مجھ کو بھی صلح میں شریک کیجئے جیسا کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی، آپ نے فرمایا ہاں، اور ہاں۔[۹۳]

---

[۹۲] بخاری میں یہ روایت کتاب النکاح رکن ذیل میں ہے لیکن ازواج کے نام نہیں، نسائی میں نام کی تصریح ہے لیکن روایت میں کسی قدر اختلاف ہے، [۹۳] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں بولیں کیونکر؟ ارشاد ہوا جب تو خوش رہتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہے تو یوں قسم کھاتی ہو "محمد کے خدا کی قسم" اور جب ناراض ہوجاتی ہے تو کہتی ہو "ابراہیم کے خدا کی قسم" حضرت عائشہؓ نے کہا "ہاں یارسول اللہ میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں"۔[1]

حضرت عائشہؓ شادی کے وقت بہت کم سن تھیں، اور لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتفاقاً آجاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں، آپ اُن کو بلا کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔[2]

حبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہیں جس کو حراب کہتے ہیں، اور جس طرح ہمارے ملک میں پٹہ ہلاتے ہیں حبشی اس سے کھیلتے ہیں، ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھا رہے تھے، حضرت عائشہؓ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے کھڑے ہوگئے، حضرت عائشہؓ دوش مبارک پر رخسارہ رکھکر تماشا دیکھنے لگیں، اور دیر تک دیکھتی رہیں یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کیوں ابھی تک تم سیر نہیں ہوئیں، بولیں نہیں، آپ چپ ہو رہے، یہانتک کہ خود تھک کر ہٹ گئیں،

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے، گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا، جس کے پر بھی تھے، آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں کہ حضرت سلیمان کے گھوڑوں کے بھی پر تھے، آپ نے تبسم فرمایا،[3] عوام میں مشہور ہے کہ پہلے گھوڑوں کے پر ہوتے تھے حضرت سلیمانؑ نے اس بنا پر کہ گھوڑوں کی سیر میں اُن کی نماز قضا ہوگئی تھی، پر کٹوا دیے اس وقت سے پر جاتے رہے لیکن نشان

---

[1] صحیح مسلم، [2] ایضاً [3] ابوداؤد کتاب الادب،

اب بھی باقی ہے حضرت عائشہؓ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا
ایک دفعہ آپ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آؤ تیز قدمی میں مقابلہ کریں حضرت عائشہؓ اس
وقت تک دبلی پتلی تھیں، آگے نکل گئیں، جب سن زیادہ ہوا، اور پُراندام ہوگئیں، تو پھر مسابقت
کی نوبت آئی، اب کی وہ پیچھے رہ گئیں، آپ نے فرمایا "یہ اس دن کا جواب ہے"[1]

ازواج مطہرات اور اہل وعیال کی سادہ زندگی

انسان بذات خود فاقہ کشی کرسکتا ہے، سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا سکتا ہے
زخارف دنیوی کو کلیتہً چھوڑ سکتا ہے لیکن وہ اپنے اعزہ واقربا بالخصوص
عزیز ترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا، یہی وجہ ہے
کہ دنیا میں جن لوگوں نے راہبانہ زندگی بسر کی ہے انھوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل وعیال کے جھگڑوں
سے الگ رکھا ہے دنیا کی مذہبی تاریخ میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال
ہے، آپ کی ۹ بیبیاں تھیں جن میں بعض ناز ونعمت میں پلی تھیں، اکثر معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں اس لیے
ان کا قدرتی میلان غذا ہائے لطیف اور لباس ہائے فاخرہ کی طرف ہوسکتا تھا، متعدد صغیر السن بچے
تھے جن کو کھانے پینے کی ہر خوشگوار اور خوشنما چیز اپنی طرف مائل کرسکتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
جیسا کہ آگے کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا اعزا واولاد وازواج مطہرات کیساتھ سخت محبت تھی آپ نے رہبانیت
کا بھی قلع قمع کردیا تھا، اور فتوحات کی کثرت سے مدینہ میں مال وزر کے خزانے لٹ رہے تھے لیکن باایں ہمہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کی طرح اُن کو بھی زخارف دنیوی کا خوگر نہیں بنایا، بلکہ ہر موقع پر
روک ٹوک کی، اس بنا پر آپ کے تمام خاندان کی زندگی آپ کے اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بن گئی،
حضرت فاطمہؓ آپ کی محبوب ترین اولاد تھیں لیکن انھوں نے آپ کی محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا

[1] ابوداؤد

ان کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، بار بار مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چکیٹ ہو جاتے تھے، چولھے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے لیکن بایں ہمہ جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گھر کے کاروبار کیلئے ایک لونڈی مانگی، اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقرا و یتامی کا حق ہے، [1]

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے، دیکھا کہ انھوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں، اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے، [2]

صرف یہی نہیں کہ خود عام طریقہ اظہار محبت کے خلاف اُن کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے، بلکہ اس قسم کی جو چیزیں اُن کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں، اُن کو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے اُن کو سونے کا ایک ہار دیا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے، چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے اُس کو فوراً بیچ کر اُس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا، [3]

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازہ پر پردہ لگایا، اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو چاندی کے کنگن پہنائے، آپ حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے، تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے، حضرت فاطمہؓ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا، اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے، بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے، آپ نے فرمایا "یہ میرے اہل بیت ہیں، میں نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف دنیا سے

---

[1] ابوداؤد [2] ایضاً، [3] نسائی کتاب الزینة،

آلودہ ہوں، اس کے بدلے فاطمہ کے لئے ایک عصب کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ۔[۱]

ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کو جو محبت تھی، اس کا اظہار کبھی دنیا دارانہ طریقہ سے نہیں ہوتا تھا چنانچہ ازواج مطہرات نے جب اچھے کھانے اور اچھے لباس کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے ان سے ایلا کر لیا،

تمام ازواج میں آپ کو حضرت عائشہ رض سب سے زیادہ محبوب تھیں لیکن یہ محبت رنگین لباس اور سنہرے زیوروں کی صورت میں کبھی نہیں ظاہر ہوئی، تمام بی بیوں کا جو لباس ہوتا تھا وہی حضرت عائشہ رض کا تھا چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں،

ما کانت لاحدنا الا ثوب واحد (بخاری جلد اول ص ۴۵)	ہم تمام بی بیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا۔

اگر کبھی اس کے خلاف ان کے بدن پر دنیوی آرائش کے سر و سامان نظر آتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو منع فرماتے، ایک مرتبہ انہوں نے سونے کے کنگن (مسکہ) پہنے آپ نے فرمایا، اگر چاندی کے کنگن زعفران سے رنگ کر پہنتیں، تو بہتر ہوتا"

تمام اہل و عیال دخانوادہ نبوت کو ممانعت تھی، کہ وہ پرتکلف وریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال کریں، آپ ان سے فرمایا کرتے تھے، کہ اگر تم کو اس کی تمنا ہو کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے پہننے سے پرہیز کرو،

انتظام خانگی | اگرچہ ازواج مطہرات کی تعداد ایک زمانہ میں ۹ تک پہونچ گئی تھی اور اس وجہ سے خانہ داری کے بہت سے بکھیڑے تھے، تاہم آپ کو خود بنفس نفیس ان چیزوں سے سروکار نہ تھا۔

---

[۱] نسائی کتاب الزینۃ۔

ذات کی نسبت تو التزام تھا کہ جو کچھ آتا دن کے دن صرف ہو جاتا، یہاں تک کہ اگر دو ے دو کر کچھ باقی رہ جاتا تو آپ اُس وقت تک گھر میں نہ جاتے، جب تک وہ بھی کار خیر میں صرف ہو جاتا، لیکن ازواج مطہرات ؓ اور مہمانوں کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام حضرت بلال ؓ کے متعلق تھا، ابو داؤد میں عبد اللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلال ؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ انھوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام کاروبار میری سپرد تھا، اور آغاز سے اخیر زمانۂ وفات تک میری ہاتھ میں رہا، معمول تھا، کہ جب کوئی نادار مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، تو مجھ کو ارشاد ہوتا، میں جا کر کہیں سے قرض لاتا، اور اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کر دیتا،[۱]

اہل و عیال کے مصارف کا انتظام

ازواجِ مطہرات ؓ کے لئے یہ انتظام تھا کہ بنو نضیر کے نخلستان میں اُن کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا وہ فروخت کر دیا جاتا جو سال بھر کے مصارف کے لئے کافی ہوتا،[۲] خیبر فتح ہوا تو ازواج کے لئے فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر ہو گیا، وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں بعض ازواج نے جن میں حضرت عائشہ ؓ بھی تھیں، پیداوار کے بدلے میں زمین لے لی،[۳] تمت بالخیر

[۱] جلد دوم باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین [۲] بخاری ص ۸۰۶ [۳] بخاری کتاب المزارعہ جلد اول ص ۳۱۳،

تمّ المجلّد الثانی من السیرة النبویّة علیٰ صاحبہا الصلوٰة والتحیة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخلاقِ نبوی

علامہ شبلی نعمانی

نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد
پاکستان